عظمت بارگاہ رسالت
کے متعلق مضامین کا
حسین گلدستہ

ھدیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم





تالیف لطیف

صاحبزادہ ابوالحسن پیر محمد طاہر حسین قادری غفرلہٗ

قادریہ آرگنائزیشن
منگانی شریف جھنگ

عظمت بارگاہ رسالت کے متعلق مضامین کا حسین گلدستہ

ھدیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف لطیف

صاحبزادہ ابوالحسن پیر محمد طاہر حسین قادری غفرلہ

باہتمام

قادریہ آرگنائزیشن
آستانہ عالیہ غوثیہ قطبیہ دربار کرمیہ
طاہر آباد سنگانی شریف جہلم



یکے از مطبوعات آستانہ عالیہ منگانی شریف

نام کتاب	———	ہدیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
تالیف لطیف	———	ابوالحسن حضرت پیر محمد طاہر حسین قادری
تخریج	———	محمد تسلیم شاہد قادری، نور المجتبیٰ قادری
نظر ثانی	———	محمد اکرم قادری منگانوی
کمپیوٹرڈیزائننگ	———	ظفر اقبال ناصر قادری الکرم کمپیوٹرز 46/E.B عارفوالا
اشاعت اول	———	جون 2009ء
صفحات	———	216
ہدیہ	———	100 روپے

ملنے کے پتے

☆ قادریہ آرگنائزیشن، دربار عالیہ منگانی شریف جھنگ۔ 047-7000754

☆ قادریہ آرگنائزیشن سب آفس مکان نمبر DK319A ڈھوک کشمیریاں راولپنڈی

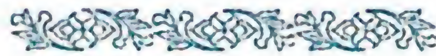
فون 051-7105151

فہرست

سلامِ شوق

سلام اے چارہ سازِ دردمنداں　　سلام اے نواؤں کے نگہباں
سلام اے مونسِ جانِ پریشاں　　سلام اے غمگسارِ حالِ پنہاں ایماں
سلام اے داروئے دردِ دل و جاں　　سلام اے بندہ پرور شاہِ شاہاں
سلام اے سید و سالارِ خوباں　　سلام اے قبلہ و کعبہ ایماں
سلام اے جانِ رحمت ، جانِ دوراں　　سلام اے حضرتِ محبوبِ یزداں
سلام اے شہریارِ مہ جبیناں　　سلام اے زینت و رونق حسیناں
سلام اے وارثِ اسلام و قرآں　　سلام اے والیِ ملکِ سلیماں
سلام اے یوسفِ رخسارِ خوباں　　سلام اے عیسیٰ بیمارِ ہجراں
سلام اے خالقِ اکبر کے مہماں　　سلام اے خاتمِ اوراق ادیاں
سلام اے جانِ عالم ، جانِ جاناں　　سلام اے طالب و مطلوب رحماں
سلام اے نازشِ سروِ خراماں　　سلام اے لطفِ بخشش ظلِ داماں
سلام اے زینتِ ایوانِ سبحاں　　سلام اے رونق و نازِ گلستاں
سلام اے سرور و سالار و سلطاں　　سلام اے شاہِ عالم، شاہِ شاہاں
سلام اے سرِّ حق ، نورِ دل و جاں　　سلام اے نورِ حق بر صورت انساں

سلام اے شاہِ شاہاں ، جانِ جاناں سلام اے احمدِ مرسل مہرباں
سلام اے صاحب عالم بہر شاں سلام اے جلوۂ تصویرِ یزداں
سلام اے فضلِ حق ، ماہِ درخشاں سلام اے مہر عالم ، مہر تاباں
سلام اے تاجدارِ بزم امکاں سلام اے بادشاہِ جن و اِنساں
سلام اے گوہرِ دریائے احساں سلام اے ہیرّ بُرھاں ، جانِ بُرھاں
سلام اے افتخارِ بزمِ عرفاں سلام اے امتیازِ عشق و ایقاں
سلام اے ہادی و ساقیء مستاں سلام اے سرگروہِ بزمِ پاکاں
سلام اے بے سروساماں کے ساماں سلام اے چارہ سازِ ہر مسلماں
سلام اے قلبِ شکستہ کے ارماں سلام اے دادرس ، آمالِ حرماں
سلام اے تکیہ ، تولائے غریباں سلام اے چارہ گر طاہرؔ پریشاں



محترم قارئین سے التماس!

کتاب ہذا کی تیاری میں تصحیح کتابت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے تاہم اگر پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو گزارش ہے کہ ضرور مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں ان اغلاط کا تدارک کیا جا سکے۔

جزاکم اللہ تعالیٰ جزاءً جمیلاً جزیلاً

تقدیم

علامہ مفتی محمد نصیر الدین نصیر الحسنی سرپرست جامعہ سلطانیہ شورکوٹ

الحمد لولیہ والصلوۃ علی نبیہ کتاب مستطاب ھدیہ النبی ﷺ

مصنفہ پیر طریقت حضرت صاحبزادہ پیر محمد طاہر حسین قادری زیب آستانہ عالیہ منگانی شریف، از اوّل تا آخر پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی محترم پیر صاحب کی دیگر تصانیف کی طرح یہ کاوش بھی اپنی مثال آپ ہے۔ وہ مسائل جن کو علم وادب سے عاری چند لوگوں نے خواہ مخواہ اختلافی مسائل بنادیا ہے انہیں اتنے حسین اور دل نشیں انداز میں سپرد قلم کیا ہے کہ ایک غیر متعصب قاری کے لئے اب یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ یہ اختلافی نہیں بلکہ امت مسلمہ کے متفقہ مسائل ہیں۔ جنہیں امت مسلمہ نے ہمیشہ حرز جان بنائے رکھا ہے۔ انداز تحریر اتنا سادہ اور پر مغز ہے کہ ہر لفظ قاری کے قلب وذھن میں سما جاتا ہے۔ گویا کہ اس موضوع پر دور حاضر میں اور بھی بہت سے صاحبان فن نے قلم کو رطب اللسان کیا ہے۔ لیکن بعض نے تنقیدی پہلو اپنا کر نفس مسئلہ کی افادیت کو محدود کردیا ہے جس سے یہ مسائل صرف ایک مکتب فکر کی ترجیحات لگتی ہیں۔ اور بعض نے اتنی طوالت سے کام لیا ہے جو کہ قاری کے فہم سے بھی بالاتر ہیں۔ ایسے میں محترم پیر صاحب کی یہ پر خلوص تحریر امتاب لاطائل اور ایجاز مخل سے یکسر پاک ہے جو کہ تنقید کی بجائے تفہیم، معقول کے بجائے منقول، ذاتی نقطہ نظر کے بجائے آثار صالحین سے مزین ہے۔ کتاب کے تمام مندرجات کو مستند ماخذ اور عالم اسلام کی مسلمہ شخصیات کے حوالہ سے بقید صفحات کے بیان کیا گیا ہے جس سے کتاب کی افادیت کو نہ صرف چار چاند لگ گئے، بلکہ بجائے خود یہ کتاب ایک ماخذ کا درجہ حاصل کرلے گی۔ اگرچہ کتابوں پر تبصرہ کرنا یا ان کی تائید وتصدیق کرنا محقق لوگوں کا کام ہے۔ مجھ جیسا بضاعۃ مزجات رکھنے والا علم وعمل کی جولان گاہ میں خامیوں کا شکار ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کتاب پہ کوئی تبصرہ کرسکے لیکن قبلہ پیر صاحب کی نگاہ التفات کہ انہوں نے بندہ کو کتاب ارسال فرما کر تبصرہ کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ بندہ کے متعلق ان کا حسن ظن ہے ورنہ حقیقت

یہ ہے کہ: من آنم کہ من دانم

الامــر فــوق الادب کے تحت اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے صاحبان فن کے سامنے سورج اور چراغ کی مثال سامنے رکھ کر چند باتیں برائے تبصرہ تحریر کرتا ہوں اس امید کے ساتھ کہ: احب الصالحین ولست منهم لعلی الله یرزقنی صلاحا۔ اوراس آرزو کے ساتھ کہ

صاحبدلے روز برحمت کند درحق ایں مسکین دعائے

مجموعی طور پر نو مضامین کو سپرد قلم کیا گیا ہے سب سے پہلے توحید باری تعالی جل جلالہ کو بیان کیا ہے توحید کا لغوی معنی و اصطلاحی معنی اور مکمل جامع تعریف کر کے اس موضوع کو امتیازی شان سے بیان کیا گیا ہے۔

توحید کے مقابلے میں شرک کی تعریف وحقیقت بیان کر کے معاشرے میں چند لوگوں کے ذہنوں پر پڑے ہوئے غبار سے بہت حد تک پردہ ہٹایا ہے۔ پھر عبادت و تعظیم کا نفیس فرق بیان کر کے توحید کے نام پر تخریب کاری کرنے والوں کا پول کھول دیا گیا ہے۔ وہ لوگ جو بات بات پر عامۃ المسلمین کو بلا جھجک مشرک کہہ دیتے ہیں اور ہر وقت شرک کا فتوی بغل میں رکھتے ہیں امید ہے کہ اس تحریر کے ذریعے وہ لوگ سچی توحید کے دامن میں آجائیں گے۔

دو درجن سے زائد آیات کریمہ سے استشہاد کتاب کی افادیت کو مزید چار چاند لگا دیتا ہے۔ اسی ضمن میں نسبت مجازی کی وضاحت بھی بہت ساری غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے کافی ووافی ہے۔ دوسرے نمبر پر عقیدہ ختم نبوت ورسالت ﷺ کا موضوع بڑی جامعیت اور خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے آیات کریمہ پھر احادیث نبویہ پھر معتبر و مسلمہ مفسرین کی تفاسیر اور لفظ خاتم کا لغوی و اصطلاحی معنی تحریر کر کے کسی حد تک موضوع کا حق ادا کر دیا گیا ہے اور اس کے ذریعے منکرینِ ختم نبوت عقائد باطلہ پر ضرب کاری لگاتے ہوئے ان کے دلائل کا سد باب کیا گیا ہے جو کہ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتاب میں ایک حسین گلدستہ کا اضافہ ہے۔

تیسرے نمبر پر دور صحابہ سے لے کر آج تک مسلمانوں کے بنیادی متفقہ عقیدہ علم غیب کا بیان ہے الحمد للہ اہل سنت و جماعت کے علاوہ باقی مکاتب فکر اس سلسلہ میں افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ بعض لوگ جو اپنے آپ کو بہت بڑا علامہ سمجھتے ہیں اور اپنی تقریروں میں وہ آیات پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں جن میں بظاہر اللہ کے سوا اور لوگوں سے علم غیب کی نفی ہے ایسی متعدد آیات ہیں وہ لوگ یکطرفہ ٹریفک چلاتے ہوئے صرف وہی آیات پیش کرتے ہیں دوسری طرف وہ آیات جن میں علم غیب عطا فرمائے جانے کا ذکر ہے۔ ان سے یکسر اعراض کرتے ہیں ایسے لوگوں پر یہ فرمان خداوندی سچ آتا ہے: افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔ (البقرہ) بعض آیات کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

محترم پیر صاحب نے پچیس آیات مقدسہ اس موضوع پر جمع کی ہیں جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ علم غیب کلی، ذاتی، قدیمی ہر لحاظ سے ہر جہت، ہر زمان اور ہر مکان میں ذات رب العزت کے لئے ثابت ہے۔ البتہ اس علم غیب میں سے اپنے مقدس رسولوں، نبیوں اور ان کے واسطہ سے ولیوں، صدیقوں اور شہداء کرام کو بھی بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ جو کہ اللہ رب العزت کی نسبت سے بعض ہے لیکن مخلوقات کی نسبت سے کل ہے۔

علم غیب کلی کا یہی مفہوم ہے کہ اللہ تعالی نے انبیاء کرام خصوصا حضور سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کو تحت ثریٰ سے عرش علی تک اور پھر ابتدائے آفرینش سے انتہاء تک، دنیا سے محشر تک ساری کائنات کے ذرے ذرے کا علم غیب کل عطا فرمایا ہے۔ جس پر مذکور آیات وصدہا احادیث کریمہ دال ہیں۔

چوتھے نمبر پر مسئلہ حاضر و ناظر کا ذکر ہے۔ بہت سارے لوگ اس مسئلہ کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکے جس کی وجہ سے وہ لوگ بڑی ڈھٹائی سے اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اس مسئلہ کا تعلق عالم روحانیات سے ہے۔ جب کسی انسان کی روح اتنی طاقتور ہو جائے کہ بشری کثافتیں اس کے آگے آڑ نہ بن سکیں تو اس روح والے کے لئے قرب و بعد یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ ملائکہ،

روحانین کی طاقت وقوت اوران کا متعدد اجسام اختیار کرنا متعدد جگہوں پر موجود ہونا سب مانتے ہیں۔ بلکہ شیطان لعین کے لئے بھی یہ طاقت مانتے ہیں۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ شیاطین کے لئے اگر یہ طاقت مانی جائے تو ان کے نزدیک عین اسلام ہے۔

جبکہ یہی قوت حضور ﷺ کی ذات گرامی کے لئے تسلیم کرنا ان کے نزدیک شرک سے خالی نہیں ہے یہ کیسا شرک ہے جو کسی کی نسبت سے جائز ہے اور کسی نسبت سے ناجائز؟ پیر صاحب نے اس مسئلہ کو قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ سب سے پہلے آیات قرآنیہ پھر احادیث نبویہ ﷺ پھر اقوال علماء کرام اور خصوصا مخالفین کے اکابر علماء کے حوالہ جات دے کر ان کے لئے انکار کی گنجائش نہیں چھوڑی کسی مسئلہ کا اندھے منہ سے انکار کر دینا بڑا آسان ہے۔ لیکن دلائل کا جواب دینا بڑا مشکل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مخالفین نے دلائل کے میدان سے ہمیشہ راہ فرار اختیار کی ہے۔

اس کے بعد حضور ﷺ کی بے مثال بشریت پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء بشر ہیں لیکن کالبشر (مثل بشر) نہیں جب کہ مخالفین کا عقیدہ ہے وہ ہماری مثل بشر ہیں۔ اس مسئلہ کو بھی آیات قرآنیہ، تفاسیر، احادیث اور مستند کتب کے حوالہ سے مبرھن ومدلل کیا گیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے استاد گرامی امام الصرف والنحو شیخ الحدیث والفقہ حضرت علامہ عبدالرشید رضوی جھنگوی صاحب فاضل بریلی شریف دامت برکاتہم العالیہ کا ایک فرمان نقل کر دوں جس سے بہت سارے ابہام دور ہو جائیں گے۔ آپ فرماتے ہیں قرآن پاک میں چار وجہ سے انبیائے کرام کو بشر کہا گیا ہے۔

(۱) اللہ تعالی نے کہا ہے۔

(۲) شیطان نے کہا ہے۔

(۳) کفار ومشرکین نے کہا ہے۔

(۴) خود نبی نے اپنے آپ کو بشر کہا ہے۔

اللہ تعالی کا بشر کہنا مخلوق کی وجہ سے ہے۔ نبی کا اپنے آپ کو بشر کہنا تو اضع وانکساری کے لئے ہے۔ شیطان ومشرکین کا بشر کہنا توہین کی نیت سے ہے۔ اب جو لوگ بشر بشر کی رٹ لگائے رکھتے ہیں یہ بھی توہین کی نیت سے کہتے ہیں۔ جو کہ کفار ومشرکین کا طریقہ ہے۔ اعاذ نا اللہ منہ۔

اس موضوع کے بعد عقیدہ توسل پر بڑی خوبصورت اور مفصل بحث کی گئی ہے۔ قرآن پاک، احادیث کریمہ اور اقوال آئمہ دین حضرت امام الآئمہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان سے اس مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے جس کے بعد کم از کم مقلدین کے لئے تو جائے فرار باقی نہیں رہی۔ پھر اس کے ساتھ عقیدہ شفاعت اور اس کی اقسام بیان کر کے عشق ومحبت کے باب میں مزید اضافہ کیا گیا ہے۔ گویا کہ مخالفین اس کے منکر نہیں لیکن وہ اسے محدود ضرور سمجھتے ہیں۔ لیکن مصنف نے جس انداز سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت عظمیٰ کے لامحدود اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی استعمال فرمارہے ہیں اور میدان محشر میں بھی استعمال فرمائیں گے۔

اس کے بعد ہاتھ پاؤں وغیرہ چومنے کے جواز کا بیان ہے اس مسئلہ کو بھی حسب سابق دلائل وبراہین سے بیان کیا گیا ہے اس میں ایک مسئلہ مزارات کو چومنے کا بھی ہے۔ اس بارے میں بعض لوگ اعلی حضرت امام اہل سنت الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اعتراض کرتے ہیں کہ آپ نے مزارات کو چومنے سے منع فرمایا ہے لہذا یہ فعل ناجائز ہے۔

اس بارے میں عرض ہے کہ مزارات کو چومنے سے منع فرمانا ناجائز ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ بھی ادب ہے یعنی چومنے میں بعض اوقات بے احتیاطی اور بے ادبی ہو جاتی ہے۔ جس کا عام مشاہدہ بھی ہے۔ اس سے صاحب مزار کا تقدس پامال ہوتا ہے۔ اس وجہ سے منع فرمایا گیا ہے۔ باقی جہاں تک نفس جواز کا تعلق ہے اس میں دو رائے ہیں اس بات کو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے واضح کیا گیا ہے۔

آخر میں معمولات اہل سنت سے ایک محبوب ومرغوب عمل تقبیل ابہامین "اذان میں نام

صلی اللہ علیہ وسلم پر انگوٹھے چومنا" اور درود وسلام پڑھنا نہایت ہی حسین وجمیل عمل ہے۔اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو نسبت محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں کا سرمہ بنائے رکھتے ہیں۔گویا کہ یہ عمل نہ تو فرض ہے نہ واجب صرف مستحب ہے۔لیکن اس کے ذریعے ایک عاشق کا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی رابطہ اور پیار پیدا ہوتا ہے اور عاشق کو محبوب کا نام چومتے ہوئے جو لذت وسرور حاصل ہوتا ہے اسے صرف رازداران محبت ہی جان سکتے ہیں۔

ہر ایک کا حصہ نہیں دیدارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم
بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

الفقیر
نصیر الدین نصیر الحسنی
جامعہ سلطانیہ (شورکوٹ شہر)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

اللہ تعالی کا بشر کہنا مخلوق کی وجہ سے ہے۔ نبی کا اپنے آپ کو بشر کہنا تو اضع وانکساری کے لئے ہے۔ شیطان ومشرکین کا بشر کہنا توہین کی نیت سے ہے۔ اب جو لوگ بشر بشر کی رٹ لگائے رکھتے ہیں یہ بھی توہین کی نیت سے کہتے ہیں۔ جو کہ کفار ومشرکین کا طریقہ ہے۔ اعاذ نا اللہ منہ۔

اس موضوع کے بعد عقیدہ توسل پر بڑی خوبصورت اور مفصل بحث کی گئی ہے۔ قرآن پاک، احادیث کریمہ اور اقوال آئمہ دین حضرت امام الآئمہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان سے اس مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے جس کے بعد کم از کم مقلدین کے لئے تو جائے فرار باقی نہیں رہی۔ پھر اس کے ساتھ عقیدہ شفاعت اور اس کی اقسام بیان کر کے عشق ومحبت کے باب میں مزید اضافہ کیا گیا ہے۔ گویا کہ مخالفین اس کے منکر نہیں لیکن وہ اسے محدود ضرور سمجھتے ہیں۔ لیکن مصنف نے جس انداز سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت عظمیٰ کے لامحدود اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی استعمال فرما رہے ہیں اور میدان محشر میں بھی استعمال فرمائیں گے۔

اس کے بعد ہاتھ پاؤں وغیرہ چومنے کے جواز کا بیان ہے اس مسئلہ کو بھی حسب سابق دلائل و براہین سے بیان کیا گیا ہے اس میں ایک مسئلہ مزارات کو چومنے کا بھی ہے۔ اس بارے میں بعض لوگ اعلی حضرت امام اہل سنت الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اعتراض کرتے ہیں کہ آپ نے مزارات کو چومنے سے منع فرمایا ہے لہذا یہ فعل ناجائز ہے۔

اس بارے میں عرض ہے کہ مزارات کو چومنے سے منع فرمانا ناجائز ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ بھی ادب ہے یعنی چومنے میں بعض اوقات بے احتیاطی اور بے ادبی ہو جاتی ہے۔ جس کا عام مشاہدہ بھی ہے۔ اس سے صاحب مزار کا تقدس پامال ہوتا ہے۔ اس وجہ سے منع فرمایا گیا ہے۔ باقی جہاں تک نفس جواز کا تعلق ہے اس میں دو رائے ہیں اس بات کو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے واضح کیا گیا ہے۔

آخر میں معمولات اہل سنت سے ایک محبوب ومرغوب عمل تقبیل ابہامین ''اذان میں نام

ﷺ پر انگوٹھے چومنا'' اور درود و سلام پڑھنا نہایت ہی حسین و جمیل عمل ہے۔اس کا اندازہ وہی
ں کر سکتے ہیں جو نسبت محبوب ﷺ کو آنکھوں کا سرمہ بنائے رکھتے ہیں۔گویا کہ یہ عمل نہ تو فرض
ہے نہ واجب صرف مستحب ہے۔لیکن اس کے ذریعے ایک عاشق کا اپنے محبوب ﷺ سے
روحانی رابطہ اور پیار پیدا ہوتا ہے اور عاشق کو محبوب کا نام چومتے ہوئے جو لذت و سرور حاصل
تا ہے اسے صرف رازداران محبت ہی جان سکتے ہیں۔

ہر ایک کا حصہ نہیں دیدارِ حبیب ﷺ
بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

الفقیر
نصیر الدین نصیر الحسنی
جامعہ سلطانیہ (شورکوٹ شہر)



بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى
اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

هو الله الذی لااله الا هو علیه توکلت
وهو رب العرش العظیم ۔ (القرآن)



توحید باری تعالیٰ جلّ جلالہ



توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

توحید کا لغوی مفہوم

لغت کے اعتبار سے توحید کا معنی ہے۔ایک کو ماننا۔لغت میں آیا ہے:اَلتَّوْحِیْدُ تَفْعِیْلٌ مِّنْ
حْدَةِ،وَهُوَ جَعْلُ الشَّیْءِ وَاحِدًا۔توحید''وحدت'' سے مشتق ہے اور باب تفعیل کا مصدر
۔اس کا معنی ہے کسی چیز کا ایک ہونا۔

طلاحی معنی ومفہوم:

اصطلاح شریعت میں توحید سے مراد ہے۔

''اَلْمَقْصُوْدُ بِتَوْحِیْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِعْتِقَادُ بِاَنَّهٗ تَعَالٰی وَاحِدٌ فِیْ ذَاتِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَاَفْعَالِهٖ۔''
اللہ تبارک وتعالی کی توحید سے مراد اس بات کا اعتقاد ہے کہ وہ اپنی ذات،صفات اور افعال
یکتا ہے۔یا دوسرے الفاظ میں:''هُوَ اِفْرَادُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بِجَمِیْعِ اَنْوَاعِ الْعِبَادَاتِ الظَّاهِرَةِ
اطِنِیَّةِ قَوْلًا وَعَمَلًا وَنَفْیُ الْعِبَادَةِ عَنْ كُلِّ مَا سِوَی اللّٰهِ تَعَالٰی كَائِنًا مَنْ كَانَ''
ید سے مراد)اللہ تبارک وتعالی کا تمام قسم کی ظاہری اور باطنی عبادات میں خواہ وہ قولی ہوں یا
،یکتا ہونا اور اللہ تعالی کے علاوہ جو کچھ اس جہان میں موجود ہے اس کی عبادت سے انکار
''۔

ت کا لغوی مفہوم:

عبادت کا معنی ومفہوم لغت میں کچھ یوں ہے:''اِنَّ الْعِبَادَةَ عِبَارَةٌ عَنْ نِهَایَةِ التَّعْظِیْمِ''
ر کبیر از امام فخر الدین رازی ج ا ص ۲۴۴)بے شک عبادت تعظیم کے آخری درجے سے
ت ہے۔

م بغوی کے نزدیک:

ادة'' اَلطَّاعَةُ مَعَ التَّذَلُّلِ وَالْخُضُوْعِ۔(معالم التنزیل ج ا ص ۴۱)عبادت سے مراد
ی اور خشوع وخضوع کے ساتھ اطاعت کرنا ہے۔

تعظیم کا لغوی معنی:

لغت میں تعظیم سے مراد ہے۔ "اَلتَّعْظِیْمُ تَفْعِیْلٌ مِّنَ الْعِظَمِ وَهُوَ الْاِحْتِرَامُ وَالْاَدَبُ"۔
تعظیم عظم سے مشتق ہے اور باب تفعیل کا مصدر ہے اس کا معنی ہے احترام کرنا اور ادب کرنا۔

شرعی مفہوم:

"انبیاء کرام، والدین، شیوخ، اساتذہ وغیرہ کی فرمانبرداری، تعمیل ارشاد اور ان سے متعلقہ اشیاء کی حرمت وتکریم کرنا تعظیم ہے" جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: "وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ" (سورۃ فتح آیت ۹) اور اس کی تعظیم وتوقیر کرو۔

حدیث پاک میں ہے: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا ولم یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا۔ (سنن الترمذی کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان حدیث نمبر ۱۹۱۹)

ترجمہ:۔ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی عزت وتکریم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

شرک کی تعریف اور مفہوم:

شرک کا معنی غیر خدا کو واجب الوجود یا عبادت کا مستحق سمجھنا۔ جیسے کہ مجوسی (آگ پرست) نیکی کے خالق کو یزدان اور برائی کے خالق کو اہرمن کہتے ہیں یا جیسے مشرکین مکہ اللہ عزوجل کی عبادت میں بتوں کو شریک کرتے تھے۔ اور یہ کفر کی بدترین قسم ہے مشرک کی بخشش نہیں ہوگی اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

قرآن پاک کی یہ آیت اس پر دال ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا۔ (سورۃ نساء آیت ۱۱۶)

بے شک اللہ تعالی اس بات کی مغفرت نہیں فرماتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے کم گناہ معاف فرمادیتا ہے جسے چاہتا ہے اور جو شخص اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے وہ گمراہی میں بہت دور چلا گیا۔

مذکورہ بالا تمام تعریفات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اپنے بزرگان دین اور اکابر حضرات کی عزت وتکریم اور ان سے منسوب اشیاء کی حرمت وتکریم، نہ عبادت کے زمرے میں آتی ہے اور نہ اس سے شرک لازم ہوتا ہے۔ گویا اس سے توحید میں فرق نہیں آتا۔ تفصیلات اگلے صفحات میں پیش کرنے کی سعی کروں گا۔

تصور توحید قرآن پاک کی روشنی میں:

قرآن چونکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس لئے کوئی بھی مسلمان زندگی کے کسی بھی شعبے میں رہ کر قرآن پاک سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے اور کوئی بھی شخص قرآن پاک سے تعلق جوڑے بغیر مکمل راہنمائی حاصل نہیں کر سکتا۔ توحید جو کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اس کے متعلق قرآن پاک کی چند آیات درج ذیل ہیں۔

(۱) وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۔ (پ۲ البقرہ آیت ۱۶۳)

اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی جو بڑی رحمت والا اور مہربان ہے۔

(۲) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۔ (پ۳ سورۃ البقرہ آیت ۲۵۵)

اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے اور ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے۔

(۳) وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ (پ۳ سورۃ آل عمران آیت ۶۲)

اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی غالب ہے اور حکمت والا ہے۔

(۴) اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ (پ۶ سورۃ النساء آیت ۱۷۱)

صرف اللہ ہی معبود ہے جو یکتا ہے۔

(۵) وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ ۔ (پ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۹)

اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت بناؤ۔

(۶) وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۔ (پ۲۳ سورۃ ص آیت ۶۵)

اور معبود کوئی نہیں سوائے اللہ کے وہ یکتا ہے (اور) سب پر غالب ہے۔

(۷) وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ۔ (پ ۲۵ سورۃ الزخرف آیت ۸۴)

اور وہی ہے آسمان میں (رہنے والوں کا) خدا اور زمین میں (رہنے والوں کا) خدا اور وہ حکمت والا ہے اور ہر شے کو جاننے والا ہے۔

(۸) لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۔ ۷ سورۃ الانعام آیت ۱۰۲)

اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے سو اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر شے پر نگہبان ہے۔

(۹) قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۔ (پ ۱۳ الرعد آیت ۱۶)

(اے نبی ﷺ!) فرما دیجئے کہ اللہ ہی ہر شے کا پیدا فرمانے والا ہے اور وہ یکتا ہے اور غالب حکمت والا ہے۔

(۱۰) قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

(اے نبی) فرما دیجئے: وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ جنا گیا، اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

اسلامی عقائد کی ابتداء عقیدہ توحید سے ہے۔ سورۂ اخلاص کا نام ہی اس چیز کو ظاہر کرتا ہے کہ اس سورۂ مبارکہ میں خالص توحید کا ذکر ہے لیکن لفظ "قل" اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا اعلان بھی رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے کروایا۔ اور حضور ﷺ کی ذات با برکات کو خالق و مخلوق کے درمیان خود ایک وسیلہ بنایا۔ مشیت خداوندی یہی تھی، اے محبوب! کلام تو ہمارا ہوگا لیکن زبان تمہاری ہو۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی
اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند

گویا اے محبوب! تم لوگوں سے فرماؤ ''اللہ ایک ہے'' یعنی کوئی شخص آپ کی غلامی کے بغیر میری معرفت حاصل کرنا چاہے تو وہ ہرگز عارف وموحد نہیں ہوسکتا جب تک آپ کی بتائی ہوئی توحید کو آپ کے دامن سے وابستہ ہوکر سمجھنے کی کوشش نہ کرے۔ اسی لئے کلمہ طیبہ کا نام کلمہ توحید ہے لیکن اللہ تعالی کے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی ہے تاکہ توحید کے ساتھ توحید سکھانے والے کا نام نامی بھی آجائے کیونکہ صحیح توحید بغیر رسالت کی دستگیری کے حاصل نہیں ہوسکتی۔

ان تمام آیات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر چیز کا خالق حقیقی اللہ تعالی ہی ہے اور وہ یکتائے روزگار ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی بے شمار آیات سے اللہ تبارک وتعالی کا خالق ومالک بالذات اولاد دینے والا، بالذات شفا دینے والا، مصیبت ٹالنے والا اور نفع ونقصان دینے والا ہونا ثابت ہے جس طرح کہ ذیل میں چند آیات پیش خدمت ہیں۔

(۱) هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ (پ ۱ سورۃ البقرہ آیت ۲۹)

وہی ذات (اللہ) ہے جس نے تمہارے لئے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے۔

(۲) وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ (پ ۶ سورۃ المائدہ آیت ۱۷)

اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔

(۳) أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔ (سورۃ یونس آیت ۵۵)

خبردار! بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

(۴) تَبٰرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (پ ۲۹ سورۃ ملک آیت ۱)

بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں ہے بادشاہی اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

(۵) وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ۔ (پ ۱۱ سورۃ یونس آیت ۱۰۷)

اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے تکلیف پہنچائے تو اس کو ٹالنے والا کوئی نہیں سوائے اس کے۔

(۶) وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ (پ ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۵۱)

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔

ان تمام آیات مبارکہ سے بالذات ذات الٰہی کی صفات ثابت ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن ہی میں بے شمار آیات اس طرح کی ہیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قدرت اور اس کے اذن سے دوسرے بھی یہ کام کر سکتے ہیں اور اگر ان صفات کو مجازی طور پر ان کی طرف منسوب کیا جائے تو اس سے توحید میں کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کا شرک لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس کے دلائل واضح طور پر قرآن حکیم کی بے شمار آیات میں موجود ہیں۔

ذیل میں چند آیات رقم کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے معجزات کے بارے میں فرمایا:

اِنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (پ ۳ سورۃ آل عمران آیت ۴۹)

میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی صورت پیدا کرتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ ہو جاتی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں ''اَخلق'' کا لفظ مذکور ہے تو اس سے شرک لازم نہیں آتا کیونکہ اس سے مراد تخلیق مجازی ہے۔

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ (البقرۃ آیت ۱۵۳)

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔

اس آیہ مبارکہ میں ''استعینوا'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جبکہ اعانت خدائے بزرگوار کا خاصہ ہے۔ تو یہاں سے مراد استعانت مجازی ہے اور غیر اللہ سے استعانت جائز ہے۔ کیونکہ وہ

اللہ تعالی کی عطا کردہ طاقت ہی سے مدد فرماتے ہیں۔

(۳) یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ۱۰ سورۃ انفال آیت ۶۴)

اے نبی! اللہ آپ کو کافی ہے اور وہ مومنین جنہوں نے آپ کی پیروی کی۔

اس آیت کریمہ میں مومنین کے کافی ہونے کی خبر ہے یعنی مومنین بھی مصائب کو دور کرنے میں مدد و معاون ہیں تو اس آیت میں بھی عطائی طاقت کا ذکر ہے۔ حقیقی طاقت صرف خدا تعالی کی ذات کو لازم ہے۔

دیگر اس آیت مبارکہ میں ایک نحوی نقطہ ہے وہ یہ کہ "من" موصولہ ہے۔ اس لئے ابہام پیدا ہو رہا ہے کہ یہاں اپنے محل ترکیب کے اعتبار سے یہ اگر مفعول بہ ہو تو پھر معنی ہوگا کہ اللہ آپ کو اور مومنین کو کافی ہے۔ اس ابہام کو قرآن کی ایک اور آیت مبارکہ دور کر دیتی ہے۔ کیونکہ یفسر بعضہ بعضا۔ (آیت ملاحظہ ہو)

(۴) فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ۔ (پ۲۸ سورۃ التحریم آیت ۴)

"بے شک اللہ تعالی اپنے نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مومنین۔ اور اس کے بعد ملائکہ مددگار ہیں"

اس آیت مبارکہ میں واضح طور پر مومنین کے مددگار ہونے کا ذکر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ کے برگزیدہ بندے، اس کی مخلوق کی مدد کرتے اور ان سے مشکلات و مصائب کو دور کرنے میں مدد و مددگار ثابت ہوتے ہیں اور یہ سب اللہ تبارک و تعالی کی عطا کردہ طاقت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

(۵) اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا۔ (پارہ ۱۶ سورۃ مریم آیت ۱۹)

بے شک میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں (میں آیا ہوں) تا کہ تجھے ایک پاکباز بیٹا دوں۔

اس آیت مبارکہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بیٹا عطا کرنے کی نسبت اپنی طرف کی۔ تو معلوم ہوا کہ مجازاً ایسا کرنا جائز ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین کی آراء درج ذیل ہے۔

تفسیر جمل میں درج ہے: وَاَسْنَدَہٗ لِنَفْسِہٖ لِاَنَّہٗ سَبَبٌ فِیْہِ۔ (تفسیر جمل ج ۳ ص ۵۶ مطبوعہ مصر)

اور جبرائیل علیہ السلام نے اس کام کی نسبت اپنی طرف کی کیونکہ وہ اس کا سبب اور ذریعہ تھے۔

تفسیر صاوی میں ہے:

اَلْاِسْنَادُ لِجِبْرِیْلَ لِکَوْنِہٖ سَبَبًا فِیْہِ۔ (تفسیر صاوی ج ۳ ص ۳۲ مطبوعہ بمبئی)

جبریل کی طرف نسبت اس کے سبب ہونے کی وجہ سے ہے۔

تو اس تمام بحث سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ اگر مدد کرنے، مشکلات دور کرنے، شفاء دینے، مالک ہونے، تخلیق اور اسی طرح اولاد دینے کی نسبت اگر برگزیدہ اور پاکباز لوگوں اور اولیاء اللہ کی طرف کی جائے تو اس سے توحید میں نہ کوئی فرق آتا ہے، نہ شرک لازم آتا ہے۔ بلکہ یہ درس قرآنی کے عین مطابق ہے۔

دیگر یوں سمجھئے کہ روزی دینے والا حقیقی خدائے بزرگوار و برتر ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ حکومت یا فلاں مالک تنخواہ دیتا ہے تو اس سے شرک لازم نہیں آتا۔ حالانکہ فتویٰ یہاں بھی لگنا چاہئے مگر اس لئے کہ یہ بات، ہر شخص پر عیاں ہے کہ یہ نسبت مجازی ہے لہٰذا فتویٰ نہیں لگتا۔

اسی طرح اگر کہا جائے کہ اولیاء اللہ مدد کرتے ہیں یا اولاد دیتے ہیں تو اس سے توحید میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو داتا، غریب نواز، غوث الاعظم اور گنج بخش وغیرہ کہنا قرآن حکیم کی رو سے جائز ہے۔ اور شرعی اعتبار سے اس کی اجازت ہے۔

عقیدہ توحید

(احادیث مبارکہ کی روشنی میں)

قرآن پاک کی آیات بینات کے بعد احادیث مبارکہ میں توحید کے تصور کو بیان کرنے کی سعی کروں گا۔ اس بارے میں ذیل میں چند احادیث رقم کی جاتی ہیں۔

(۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ عَلِّمْنِیْ کَلَامًا اَقُوْلُہٗ۔ قَالَ قُلْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ۔ (مسلم شریف)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے کوئی ایسی بات سکھائیں جو کہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہہ! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ ہی کی بہت زیادہ بڑائی ہے اور اللہ ہی کے لئے بہت زیادہ حمد ہے اور اللہ پاک ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ کوئی طاقت اور قوت نہیں مگر اللہ کے ساتھ جو کہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔

(۲) عن عائشۃ رضی اللہ عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ لَمْ یَقُمْ منہ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ ھِمْ مَسَاجِدَ۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وصال میں فرمایا: یہود ونصاری پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (مشکوۃ شریف، ج ا ص ۶۹)

اس حدیث کی شرح میں مرقاۃ میں کچھ یوں درج ہے۔

علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہود ونصاری اپنے انبیاء کے مزارات کو سجدہ کرتے اور انہیں قبلہ بنا کر نماز میں ان کی طرف منہ کرتے تو (گویا) ان لوگوں نے ان مزارات کو بت

بنالیا۔ اس لئے حضور ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ (مرقات، شرح مشکوۃ، ج ا ص ۴۵۶)

آج کل ہم پر اعتراض عام ہوتا ہے کہ تم لوگ قبروں کو سجدے کرتے ہو اور اولیاء کی قبور پہ جبین سازی کرتے ہو۔ حالانکہ ان لوگوں کو یہ سوچنا چاہئے کہ ہمارے عقائد میں یہ بات ہرگز نہیں۔ بلکہ ہم فقط مزارات کے چومنے کو جائز اور باعث ثواب کام قرار دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص قبر کو سجدہ کرتا ہے تو یہ حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔ اور اسی طرح جو لوگ یہ کام کرواتے یا کرتے ہیں وہ جاہل اور دین سے نابلد ہیں اس قسم کے خرافات اور خلاف شریعت کام سے روکنا چاہئے ورنہ سب عذاب کا شکار ہو جائیں گے جس طرح کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوْ مُنْكَرًا فَلَمْ يُغَيِّرُوْهُ يُوْشِكُ اَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ ۔ (مشکوۃ ج ۲ ص ۱۴۴۳)

بے شک جب لوگ کسی برائی کو دیکھیں اور اسے نہ بدلیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب عام بھیج دے۔

تو یہ تمام احادیث اہل السنت والجماعت کے عقائد میں شامل ہیں اس لئے اگر کوئی شخص مشرک یا بدعتی کا فتویٰ لگاتا ہے تو پہلے دیکھ لے کہ ہمارے عقائد کیا ہیں۔

عقیدہ توحید ہی اصل ایمان ہے اور یہی وہ طاقت کا سرچشمہ ہے کہ جس کے بل بوتے پر ہمارے اسلاف نے کفر و باطل کی جڑیں اکھیڑ کے رکھ دیں۔

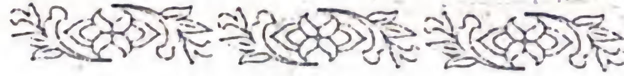
اسی لئے قلندر لاہوری نے فرمایا:

تا دو تیغ "لا" و "الا" داشتیم
ماسوی اللہ را نشاں نگذاشتیم



ماکان محمدأبا أحد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیین (القرآن)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (الحدیث)



ختم نبوت ورسالت صلی اللہ علیہ وسلم



خدا یکتا الوہیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم یکتا رسالت میں
کسی کو اب نبی ہونے کا دعویٰ ہو نہیں سکتا

ختم نبوت ورسالت ﷺ
(قرآن کریم کی روشنی میں)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ (پ۲۲سورۃ احزاب رکوع ۲ آیت ۴۰) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے آخر ہیں۔ اوراللہ تعالیٰ ہر چیز کا بخوبی علم رکھنے والا ہے۔

یہ آیت کریمہ حضور اکرم ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت پر ایک روشن دلیل کی حیثیت رکھتی ہے اس آیت سے حضور اکرم ﷺ کے آخری نبی ہونے پر تین طریقوں سے دلیل پکڑی جاسکتی ہے۔

(۱) صحابہ کرام سے لے کر آج تک مفسرین کرام نے یہاں ''خاتم النبیین'' کا مطلب کیا بیان فرمایا ہے؟

(۲) نص قرآنی کس چیز کا تقاضا کرتی ہے؟

(۳) اہل لغت کے نزدیک خاتم کی تشریح کیا ہے؟

(۱) مفسرین کرام کے نزدیک:

اس آیت کریمہ کی روشنی میں تمام مفسرین نے یہی بیان فرمایا ہے کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور یہ بات وہ اتنے وثوق سے لکھتے رہے ہیں کہ کسی اختلاف کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا۔ لیکن یہاں ان مفسرین کی آراء ذکر کی جاتی ہیں جو مرزا قادیانی سے پہلے گزرے ہیں تاکہ یہ اعتراض ختم ہوجائے کہ یہ بات تو مفسرین نے قادیانیوں کے تعصب میں لکھ دی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ مفسرین تو اس الزام سے قطعاً مبرا ہیں۔ اس لئے دانستہ طور پر صرف ان مفسرین کرام کی آراء ذکر کی جائیں گی جو مرزا قادیانی سے پہلے گزر چکے ہیں۔

اہم نوٹ:۔ یادرہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت 1900ء میں کیا۔ اس حیثیت

سے ہجری سن 1321ھ بنتا ہے۔یہاں 1320 سے پہلے کے مفسرین کی آراء درج کی جاتی ہیں۔

(۱) صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:۔(المتوفی ۶۸ھ)

(خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ) خَتَمَ اللّٰہُ بِہِ النَّبِیّٖنَ قَبْلَہٗ فَلَا یَکُوْنُ نَبِیٌّ بَعْدَہٗ۔(تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس لابی طاہر محمد بن یعقوب الشیر ازی الشافعی المتوفی ۸۱۷ھ مکتبہ حقانیہ محلہ جنگی پشاور)

ترجمہ:۔خاتم النبیین، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا۔اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(۲) ابو جعفر محمد بن جریر طبری:(المتوفی ۳۱۰ھ)

(خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ) اَلَّذِیْ خَتَمَ النُّبُوَّۃَ فَطَبَعَ عَلَیْھَا فَلَا تُفْتَحُ لِاَحَدٍ بَعْدَہٗ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ ـــــ وَفِیْ قِرَاءَۃِ عبد اللّٰہِ وَلٰکِنْ نَبِیًّا خَتَمَ النَّبِیّٖنَ۔(تفسیر طبری ج ۱۰ جز ۲۲ ص ۱۲ دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت)

ترجمہ:۔یعنی وہ شخص جس نے نبوت کو ختم کر ڈالا اور اس پر مہر لگا دی پس وہ قیامت تک آپ کے بعد کسی پر نہ کھولی جائے گی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت یہ ہے کہ"وہ ایسے نبی ہیں جنہوں نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا۔

(۳) ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری (المتوفی ۵۳۸)

(خاتم النبیین) یَعْنِیْ اَنَّہٗ لَوْ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ بَالِغٌ مَبْلَغَ الرِّجَالِ لَکَانَ نَبِیًّا وَلَمْ یَکُنْ ھُوَ خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ۔(تفسیر کشاف ج ۳ ص ۲۶۴ دار المعرفۃ بیروت)

ترجمہ:۔"خاتم النبیین یعنی اگر کوئی آپ کا بیٹا ہوتا جو بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتا تو وہ نبی ہوتا اور آپ آخری نبی نہ رہتے"

(اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں کو بچپن ہی میں آخرت کی طرف بلا لیا)

(۴) الامام الحافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی (المتوفی ۷۷۴)

فَهٰذِهِ الْاٰیَةُ نَصٌّ فِی اَنَّهُ لَا نَبِیَّ بَعْدَهُ وَاِذَا کَانَ لَانَبِیَّ بَعْدَهُ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدَهُ بِالطَّرِیْقِ الْاَوْلٰی وَالْاَحْرٰی لِاَنَّ مَقَامَ الرِّسَالَةِ اَخَصُّ مِنْ مَقَامِ النُّبُوَّةِ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۰۰ دار القرآن الکریم بیروت)

ترجمہ:۔ یہ آیت کریمہ اس مسئلہ میں نص ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جب نبی نہیں آئے گا تو رسول بدرجہ اولی نہیں آئے گا کیونکہ مقام رسالت مقام نبوت سے خاص ہے۔

(۵) نظام الدین الحسن محمد بن حسین القمی النیشاپوری (المتوفی 728ھ)

(خاتم النبیین) لِاَنَّ النَّبِیَّ اِذَا عَلِمَ ان بَعْدَهُ نَبِیًّا فَقَدْ یَتْرُکُ بَعْضَ الْبَیَانِ وَالْاِرْشَادِ اِلَیْهِ بِخِلَافِ مَالَوْعَلِمَ اَنَّ خَتْمَ النُّبُوَّةِ عَلَیْهِ (وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا) وَمِنْ جُمْلَةِ مَعْلُوْمَاتِهِ اَنَّهُ لَا نَبِیَّ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ﷺ۔ (تفسیر غرائب القرآن ج ۸ ص ۱۵ شرکۃ مکتبہ ومطبعہ مصطفی البابی الحلبی والدہ بمصر)

ترجمہ:۔ (خاتم النبیین) اگر کسی نبی کو یہ معلوم ہو کہ اس کے بعد کوئی نبی آنے والا ہے تو وہ نصیحت وارشاد میں سے کچھ چھوڑ بھی دیتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ جسے معلوم ہو کہ اس پر نبوت ختم کردی گئی ہے۔ ”وکان الله بکل شئ علیما“ اور اللہ تعالی کی معلومات میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

الامام جلال الدین سیوطی: (المتوفی 811ھ)

عَنْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فِی وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ قَالَ آخِرُ نَبِیٍّ ـــعَنِ الْحَسَنِ فِی قَوْلِهٖ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ قَالَ خَتَمَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ وَکَانَ آخِرُ مَنْ بُعِثَ۔ (الدر المنثور ج ۵ ص ۲۰۴ دار المعرفہ للطباعۃ والنشر بیروت لبنان)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے فرمان ”ولکن رسول الله وخاتم النبیین“ کے متعلق فرماتے ہیں آپ آخری نبی ہیں۔ حضرت حسن ”خاتم النبیین“ کے متعلق فرماتے ہیں اللہ تعالی نے

حضرت محمد ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا۔ اور آپ ﷺ کی بعثت سب سے آخر میں ہوئی ہے۔

لہٰذا ہمارے قارئین پر واضح ہو گیا ہوگا کہ مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ سے کیا سمجھا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپ کسی بھی تفسیر کو اٹھالیں تو آپ کو بلا اختلاف اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہی ملے گا کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔

(۲) نظم قرآنی کے حوالے سے:

اس آیہ کریمہ میں دوسری چیز جو حضور سید عالم ﷺ کے آخری نبی ہونے پر واضح دلیل ہے وہ اس کا باہمی ربط اور نظم و مناسبت ہے۔

یہ آیہ کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی تو چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے متبنّٰی (لے پالک منہ بولا بیٹا) حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مطلقہ تھیں اور اس معاشرہ میں متبنی کو حقیقی بیٹے کے حقوق حاصل تھے۔ اس لئے یہ مشہور ہو گیا کہ حضور ﷺ نے (معاذ اللہ) اپنی بہو سے شادی کر لی ہے۔ اس پس منظر میں یہ آیت کریمہ اور اس سے پہلے کی آیات نازل ہوئیں اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تو شان ہی یہ ہوتی ہے کہ احکام الٰہی کی بجا آوری میں کسی ملامت اور تنقید کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا۔ (پ۲۲ سورۃ احزاب رکوع ۲ آیت ۳۹)

وہ اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو پہنچاتے ہیں اور فقط اسی سے ڈرتے ہیں اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ پھر فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ ــــــ الخ۔ ((پ۲۲ سورۃ احزاب رکوع ۲ آیت ۴۰)

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔ دراصل یہ ان اعتراضات کے جوابات ہیں جو لوگوں میں گردش کر رہے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ دیکھو حضور اکرم ﷺ نے (معاذ اللہ) اپنی بہو سے شادی

کر لی۔ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ کہ محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ یعنی زید رضی اللہ عنہ تو حضور کے بیٹے تھے ہی نہیں تم کیسے کہتے ہو کہ اپنی بہو سے شادی کر لی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ تو حضور ﷺ کے متبنی تھے اور متبنی کے متعلق شروع سورۃ میں فرما دیا: ادعوھم لاباءھم (پارہ ۲۱ الاحزاب آیت ۵)۔ انہیں ان کے باپوں کی طرف منسوب کر کے بلاؤ تو وہ زید بن حارثہ ہیں نہ کہ زید بن محمد ﷺ جب زید رضی اللہ عنہ آپ کے بیٹے ہی نہیں تو پھر تم کیسے کہتے ہو کہ انہوں نے اپنی بہو سے شادی کر لی۔ اس نکتے کو مفسرین نے بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ کے بیٹے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے متبنی کو صلبی بیٹے کا درجہ نہیں دیا۔ لیکن ہمارے عرف میں اسے معیوب سمجھا جاتا ہے اور ہم اسے صلبی بیٹے کے قائم مقام قرار دیتے ہیں۔ آخر یہ کیوں ضروری ہوا کہ آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کریں تو اس کے جواب میں فرمایا: ولکن رسول اللہ۔ لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں۔ یعنی رسول کا منصب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے جن احکامات کو اپنی منشا کے مطابق بدل لیا ہوتا ہے۔ رسول انہیں اصلی رنگ میں پیش کرتا ہے۔ اس لئے جہت رسالت کا تقاضا تھا کہ وہ اس مسئلہ میں بھی کسی ملامت کی پرواہ کئے بغیر حکم الٰہی بجا لائے اور مسئلہ کو اس کے حقیقی رنگ میں پیش کرے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حکم صرف کہنے سے بھی بجا لایا جا سکتا تھا آخر عملی طور پر شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی تو جواباً عرض ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ حکم الٰہی یہی تھا۔ جیسا قرآن مجید کے الفاظ زَوَّجْنٰکَهَا سے عیاں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عملی طور پر کسی کام کو کرنے سے اس کام میں جو تاکید اور زور پیدا ہو جاتا ہے وہ کسی بھی دوسرے طریقے سے پیدا نہیں ہوتا۔ واللہ یعلم بأسرار احکامہ۔ المختصر یہ کہ ولکن رسول اللہ سے مراد یہ ہے کہ رسول کا منصب یہی ہوتا ہے کہ بغیر کسی ملامت کی پرواہ کیے حکم الٰہی بجا لایا جائے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے تمہارے عرف اور رسم کے خلاف شادی کی۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ تو پہلے دن سے جاری ہے آخر یہ کیوں ضروری ہوا کہ انہوں نے خود ہی شادی کر کے اس رسم کو توڑنا تھا تو فرمایا: خاتم النبیین۔ کہ وہ آخری نبی ہیں۔ یعنی اگر نبیوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہوتا تو ممکن تھا کہ اس حکم کو ختم کرنا کسی آنے والے رسول کے ذمہ لگایا جاتا لیکن جب ان کے بعد کسی نبی نے آنا ہی نہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس پرانی اور قبیح رسم کو جو ایک تقدس کا روپ دھار چکی ہے اسی رسول کے ہاتھوں ختم کروایا جائے اور مفسرین نے اس نکتہ کو بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی (606ھ) اس جملہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں خاتم النبیین اس لئے فرمایا کہ جس نبی کے بعد کوئی دوسرا نبی ہو وہ اگر نصیحت اور بیان میں کوئی کمی چھوڑ جائے تو اس کے بعد آنے والا نبی اسے پورا کر سکتا ہے۔ مگر جس کے بعد کوئی آنے والا نبی نہ ہو وہ اپنی امت پر زیادہ شفیق ہوتا ہے اور اسے زیادہ واضح راہنمائی دیتا ہے کیونکہ اس کی مثال اس باپ کی ہوتی ہے جو جانتا ہے کہ اس کے بعد کوئی اس کے بیٹے کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲۵ ص ۲۱۴ مکتب الاعلام الاسلامی)

(۲) اس آیہ کریمہ میں باہمی ربط کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب ما کان محمد ابا احد من رجالکم فرما کر حضور کے باپ ہونے کی نفی کی گئی ہے جبکہ باپ تو شفقت کا روپ ہوتا ہے وہ تو خلتوں کا دوسرا نام ہوتا ہے۔ تو یہاں وہم پیدا ہوتا تھا کہ کیا حضور ﷺ کو لوگوں سے محبت اور شفقت بھی نہیں تو فرمایا: ولکن رسول اللہ بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ یعنی حضور کا تم سے تعلق رسالت کا ہے اور رسول کو اپنی امت سے جتنی شفقت اور محبت ہوتی ہے۔ باپ کی اپنی اولاد سے شفقت اور محبت تو اس کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ رسول تو باپ سے ہزاروں درجہ بڑھ کر اپنی امت سے محبت اور شفقت کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب قیامت کے دن ماں اپنے لخت جگر کو بھول جائے گی۔ باپ اپنے بیٹے کو چھوڑ دے گا۔ دوست، دوست کو فراموش کر دے گا تو رسول کریم ﷺ اپنی امت کو نہ صرف یاد رکھیں گے بلکہ ان کی شفاعت فرمائیں

گے۔شاعر نے بڑی خوبصورت منظر کشی کی ہے۔

کہیں وہ گرتوں کو تھام لیں گے، کہیں پیاسوں کو جام دیں گے

صراط ومیزان وحوض کوثر یہی وہ عالی مقام ہوگا

اور پھر فرمایا: خاتم النبیین ۔کہ وہ آخری نبی ہیں۔یعنی رسول تو امت کے لئے ویسے ہی بہت شفیق ہوتا ہے۔لیکن یہ رسول تو آخری نبی ہیں۔ان کی شفقتیں تو امت کے لئے اور بھی جوبن پر ہیں بلاتشبیہ وتمثیل وہ باپ جو جانتا ہو کہ میرے چلے جانے کے بعد تو کوئی ایسا ہوگا ہی نہیں جو میری اولاد کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھے تو اس کی شفقتیں تو اور بھی جوبن پر ہوں گی۔ایسے ہی یہ رسول تو جانتے ہیں کہ ان کے بعد کوئی رسول اور آئے گا ہی نہیں۔اس لئے ان کی تو اپنی امت پر شفقتیں اور بھی عروج اور جوبن پر ہیں۔پھر فرمایا: وَكان الله بكل شيء عليما (پ۲۲ الاحزاب آیت ۴۰) اور اللہ تعالی ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔یعنی اگر ہم نے ان کی ذات پر رسالت ونبوت کا سلسلہ ختم کردیا تو کوئی یہ نہ سوچے کہ یہ سلسلہ کیوں ختم کردیا گیا۔بلکہ ہم بہتر جانتے ہیں کہ نبوت کا سلسلہ کب شروع کرنا تھا اور کب ختم کرنا ہے؟اس جملہ کی تفسیر میں امام نیشاپوری کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے۔

اللہ تعالی کی معلومات میں سے یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

الغرض اس آیہ کریمہ کا نظم اس بات پر واضح دلیل ہے کہ یہاں خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہی ہو کیونکہ اس کا کوئی بھی ایسا معنی کرنا جس سے اجرائے نبوت کا شائبہ بھی پیدا ہوتا ہو، یہاں بالکل بے ربط اور غیر منظم ہوگا جو اعجاز قرآنی کے خلاف ہوگا یہاں خاتم النبیین کا معنی آخری نبی نہ کرنا نہ صرف قرآن وسنت کی نصوص قطعیہ اور اجماع امت کے خلاف ہے بلکہ نظم قرآنی کے بھی خلاف ہے۔

(۴) خاتم کی لغوی تحقیق:

"عقیدہ" لغت سے نہیں کتاب وسنت سے ثابت ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ کا وہی معنی مراد لیا جائے گا جو قرآن وسنت میں بیان کیا گیا ہو۔ ورنہ صلوۃ کا معنی دنیا کی کسی بھی لغت کی کتاب میں نماز نہیں ملے گا۔ تاہم لغت کے استدلال کو تائید اپیش کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے یہاں کچھ مسلم لغت کا حوالہ بھی دے دیا جائے کہ شروع سے لے کر اہل لغت خاتم کا کیا معنی لے رہے ہیں اور قادیانی خاتم کا جو معنی کر رہے ہیں وہ ان کا خودساختہ معنی ہے جس کا کتب لغت میں وجود تک نہیں وہ لغت سے معنی نہیں سمجھ رہے بلکہ لغت کو اپنا خودساختہ معنی سمجھانے میں مشغول ہیں۔

طوالت کے پیش نظر یہاں پر چند معتبر اہل لغت کی آراء پیش کی جاتی ہیں وگرنہ بہت سے اہل لغت نے خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہی کیا ہے۔

(۱) العلامہ الراغب الاصفہانی (المتوفی 506ھ)

(خاتم النبیین) لِاَنَّہٗ خَتَمَ النُّبُوَّۃَ اَیْ تَمَّمَھَا بِمَجِیْئِہٖ۔ (مفردات الفاظ القرآن ص ۱۴۴ اسماعیلیاں۔ چاپ نشر۔ ایران۔ قم)

(خاتم النبیین) اس لئے کہ آپ نے نبوت کو ختم کر دیا یعنی آپ نے تشریف لا کر نبوت کو مکمل اور تمام کر دیا۔

(۲) علامہ محمد بن ابوبکر عبدالقادر الرازی (المتوفی 666ھ)

خَاتِمَۃُ الشَّیْءِ آخِرُہٗ وَمُحَمَّدٌ خَاتِمُ الْاَنْبِیَاءِ۔ (مختار الصحاح ص ۱۶۹ مادہ ختم۔ دار الکتاب العربی بیروت لبنان)

خاتمۃ الشی۔ کسی چیز کے خاتمہ کا معنی ہے اس کا آخر اور حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔

(۳) العلامہ السعید الخوری الشرتونی اللبنانی:

(الخاتِم والخاتَم) الختام وآخر القوم ـــــ وعَاقِبَۃُ کُلِّ شَیْءٍ۔ (اقرب الموارد فی

فصح العربیہ والشوار دج ۲ ص ۱۹ ادار الاسوہ للطباعۃ والنشر)

خاتم اور خاتَم کا معنی ہے آخر یا قوم کا آخری فرد۔۔۔ کسی بھی چیز کا آخر۔

(۴) لویس معلوف

☆ الخاتِم والخاتَم جمع خواتم وختم ـــــ عاقبۃ کل شی۔ (المنجد مادہ ختم ص ۱۷۹ انتشارات اسماعیلیاں۔ تہران)

خاتم اور خاتَم کی جمع خواتم اور ختم ہے یہ کسی بھی چیز کے آخر کو کہا جاتا ہے۔ لغت کی کسی بھی مستند کتاب کو اٹھا کر دیکھ لیں وہاں خاتم القوم کا معنی آخر القوم ہی ہوگا۔

معلوم ہوا کہ یہ آیہ کریمہ ہر لحاظ سے حضور سید عالم ﷺ کے آخری نبی ہونے پر نص قطعی ہے۔

اب قرآن کی چند اور آیات طیبات ملاحظہ ہوں جو حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے پر واضح دلیل ہیں۔

دوسری آیہ طیبہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ (سورۃ مائدہ پ ۶ آیت ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو پورا کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔

یہ آیہ کریمہ بھی حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے پر دلیل قطعی ہے۔ چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تشریف آوری کا مقصد بندوں تک اللہ کا دین پہنچانا ہی تھا۔ اب جب دین ہر لحاظ سے مکمل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی شکل میں ایک مکمل ضابطہ حیات پوری انسانیت کو عطا فرمایا اور اسی اسلام کو اس نے بطور دین کے پسند کر لیا اور یہی دین قیامت تک پوری نوع انسانی کا دین ہوگا۔ تو ظاہر ہے اب کسی اور نبی کے آنے کی ضرورت نہیں رہی چونکہ جب دین مکمل ہے تو وہ رسول کیا لے کر آئے گا۔

علامہ ابن کثیر اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لَھُمْ دِیْنُھُمْ فلا یَحْتَاجُوْنَ اِلٰی دِیْنٍ غَیْرِہٖ وَلَا اِلٰی نَبِیٍّ غَیْرَ نَبِیِّھِمْ صلوات وسلام علیہ وَلِھٰذَا جَعَلَہُ اللّٰہُ خَاتَمَ الانبیاءِ وَبَعَثَہُ الی الانسِ والجنِّ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۴۸۲)

اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ اس نے اس امت کو مکمل دین عطا فرمایا۔ پس اب انہیں نہ کسی اور دین کی ضرورت ہے اور نہ ہی نبی کی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو خاتم الانبیاء بنایا اور آپ کو تمام جن وانس کی طرف مبعوث فرمایا۔

ایک شبہ کا ازالہ:

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو جو دین دیئے گئے وہ ناقص اور ادھورے تھے کہ انہیں تکمیل دین کی بشارت نہ دی گئی۔ تو ظاہر ہے کسی بھی نبی کا دین نامکمل اور ناقص نہیں تھا بلکہ اپنے زمانے کے لحاظ سے جامع اور مکمل تھا۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ تکمیل دین کی بشارت صرف حضور ﷺ کو ہی کیوں دی گئی؟

جواباً گذارش ہے کہ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منصوبہ میں ایک تو ان انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوتوں کا زمانہ قیامت تک نہیں تھا بلکہ صرف ان کی حیات ظاہری تک تھا اس لئے ان میں وہ کاملیت اور جامعیت نہ تھی جو قیامت تک پیش آنے والے نئے نئے مسائل کا جواب دے سکے اور چونکہ نبی کریم ﷺ کی نبوت قیامت تک باقی رہنا تھی۔ اس لئے اس میں کاملیت اور عمومیت کی وہ صلاحیتیں رکھ دی گئیں جو قیامت تک پیش آنے والے ہر مسئلہ کا حل اور ہر سوال کا جواب ہیں اسی کو تکمیل دین کا نام دیا گیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر نبی اپنے بعد آنے والے نبی پر ایمان لانے کی شرط قرار دیتا۔ ورنہ وہ لوگ مکمل دین سے محروم رہتے اب جب وہ بعد والے نبی پر ایمان لے آتے تو اس نبی کا زمانہ شروع ہو جاتا اور پھر وہ نبی اپنے بعد آنے والے نبی پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیتے۔ اس

لئے کسی بھی ایک نبی پر ایمان لانے کو اور اس کی پیروی کرنے کو "کامل دین" نہ کہا گیا۔ لیکن چونکہ حضور ﷺ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا تھا اس لئے فقط آپ پر ایمان لانے کو اور صرف آپ کی پیروی کو ہی "مکمل دین" قرار دیا گیا۔ واتممت علیکم نعمتی کا یہی مطلب ہے۔ کہ میں نے تم پر نعمت نبوت تمام کر دی۔ اب اگر کسی نئے نبی کی آمد مان لی جائے تو تکمیل دین کے بھی خلاف ہے اور اتمام نعمت کے بھی۔

تیسری آیۂ طیبہ:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتَابِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ۔ (پ ۵ سورۃ النساء آیت ۱۳۶)

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے نازل کی۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ (پ ا سورۃ البقرہ آیت ۴)

جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ پر اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ ﷺ سے پہلے نازل کیا گیا۔ حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے پر قطعی دلیل ہے کیونکہ اگر آپ ﷺ کے بعد بھی کوئی وحی نازل ہونا ہوتی تو اہل ایمان کو اس پر بھی ایمان لانے کا حکم دیا جاتا اور اہل ایمان کو حکم دیا جاتا کہ جو اس کے بعد نازل ہوگا اس پر بھی ایمان لانا۔ تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فرمائے کہ جو آپ پر اترا اور جو آپ سے پہلے اترا اس پر ایمان لانا کافی ہے۔ لیکن قادیانی حضرات بضد ہیں کہ جو حضور ﷺ کے بعد مرزا صاحب پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں"۔ (آئینہ صداقت از مرزا بشیر

الدین محمود ص ۳۵)

اور مرزا قادیانی خود بھی لکھتا ہے: ''خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے قبول نہیں کی وہ مسلمان نہیں ہے۔(تذکرہ مجموعہ الہامات ،ص ۶۰۷ ،طبع سوم ،از مرزا غلام احمد قادیانی)

لہذا قرآنی احکامات کا اس سے بڑھ کر انکار اور کیا ہو سکتا ہے!

چوتھی آیہ طیبہ:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔ (پ۱۰ سورة توبہ آیت ۳۳)

اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے سارے دین پر غالب کر دے۔ خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

یہی ارشاد سورۃ الفتح کی آیت ۲۸ اور سورۃ الصف کی آیت ۹ میں ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ وہ آپ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔

امام فخر الدین رازی لیظهره علی الدین کله کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

صَيْرُورَتُهُ دِينِهِ مُسْتَعْلِيًا عَلَى سَائِرِ الْأَدْيَانِ عَالِيًا عَلَيْهَا۔ الخ (تفسیر کبیر ج ۱۵ ص ۴۰) ''اس دین کا تمام ادیان پر غالب آجانا''

اب ظاہر ہے کہ یہ دین اس وقت غالب ہوگا جب لوگ دوسرے ادیان کو چھوڑ کر اسے قبول کریں گے۔ مثلاً ایک آدمی پہلے عیسائی ہے اب اگر وہ عیسائیت ترک کر کے اسلام اختیار کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پس منظر میں عیسائیت پر اسلام غالب آ گیا۔ دین اسلام اسی وقت غالب ہوگا کہ جب لوگ دیگر ادیان کو چھوڑ کر اسے قبول کریں۔ اگر حضور ﷺ کے بعد بھی کسی نبی نے آنا ہوتا تو ظاہر ہے پھر لوگوں کے لئے ضروری ہوتا کہ وہ اسی نبی پر ایمان لائیں۔ تو اس طرح تو اس کا دین، اسلام پر غالب ہو جاتا اور یہ بات لیظهره علی الدین کله کے خلاف ہے۔

اس طرح یہ آیہ کریمہ بھی حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے پر دلیل قطعی ہے۔

پانچویں آیہ طیبہ:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ۔(پ۹ سورۃ اعراف آیت ۱۵۸) اے محبوب فرما دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

اس آیہ کریمہ کا مطلب ہے کہ حضور اکرم ﷺ تمام بنی نوع انسان کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول بن کر تشریف لائے۔ امام رازی کی تفسیر ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

هٰذِهِ الْاٰیٰتِ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّ مُحَمَّدًا عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَبْعُوْثٌ اِلٰی جَمِیْعِ الْخَلْقِ ۔ (تفسیر کبیر ج ۱۵ ص ۲۶)

یہ آیت اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ تمام مخلوق کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول بن کر تشریف لائے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۔ (سورۃ الفرقان آیت ۱) بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا۔ تاکہ وہ جہاں والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔

اس آیہ کریمہ کا مفاد بھی یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ تمام مخلوقات کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول بن کر آئے۔ امام البقاعی رحمۃ اللہ علیہ۔ للعالمین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أی المکلفین کلهم من الجنّ والانسِ والملئکۃِ۔ (تفسیر نظم الدرر ج ۵ ص ۲۹۲)

یعنی حضور ﷺ تمام مکلفین کی طرف مبعوث کئے گئے وہ جن ہوں، انسان ہوں یا ملائکہ۔

یہ آیت بھی حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے پر واضح دلیل ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ ہی تمام مخلوق کی طرف رسول بن کر تشریف لائے تو جو اور نبی آئے گا وہ کس کی طرف آئے گا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا کیونکہ آپ کی رسالت قیامت تک تمام مخلوق کے لئے عام ہے۔

چھٹی آیہ طیبہ:

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔ (پ۵ سورۃ النساء آیت ۱۱۵)

اور جو شخص ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنوں کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ پر چلے گا تو ہم اسے اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

یہ آیہ طیبہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر واضح دلیل ہے کیونکہ اس میں فرمادیا گیا کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے اور مومنوں کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ پر چلتا ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی آئے گا تو ظاہر ہے وہ مومنوں کے راستہ پر نہیں چلے گا بلکہ مومنوں کو اپنے راستہ پر چلائے گا۔ کیونکہ نبی لوگوں کی اطاعت کرنے نہیں آتا بلکہ لوگوں سے اپنی اطاعت کروانے آتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مومنوں کے راستہ سے ہٹ کر چلنے والا جہنمی ہے پس واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ساتویں آیہ طیبہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔ (پ۵ سورۃ النساء آیت ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول اور تم میں سے جو اولی الامر ہیں ان کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بات بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے۔

یہ آیۂ کریمہ بھی واضح الفاظ میں حضور نبی رحمت ﷺ کے آخری نبی ہونے کا اعلان کر رہی ہے کیونکہ ایک بات تو یہ طے شدہ ہے کہ یہ حکم صرف حضور ﷺ کے زمانے تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے مومنوں سے ہے۔ دوسری مسلمہ بات یہ ہے کہ یہاں "الرسول" سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ تمام مفسرین اس سے متفق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور اولی الامر کی اطاعت کرو گویا رسول کریم ﷺ کی اطاعت کے بعد جس کی اطاعت کا حکم ہے وہ اولی الامر ہے۔ اور اولی الامر کے متعلق فرمایا کہ اگر تمہارا اور اولوا الامر کا اختلاف ہو جائے تو اس بات کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔ یعنی اولوا الامر سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اولوا الامر سے اختلاف جائز ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اولوا الامر رسول یا نبی نہیں ہوگا۔ کیونکہ رسول یا نبی سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ رسول معصوم ہوتا ہے اور ہر حال میں واجب الاطاعت۔

حضور نبی رحمت ﷺ کا یہ فرمان عظمت نشان اسی آیت کی تفسیر ہے۔

كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيلَ تسوسهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَاَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءَ۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب) بنی اسرائیل کی قیادت ان کے انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کسی نبی کا انتقال ہو جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا بلکہ خلفاء ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ خلافت کا وعدہ فرمایا ہے نبوت و رسالت کا نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (پ ۱۸ سورۃ النور آیت ۵۵)

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اعمال صالحہ کئے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں زمین میں خلافت عطا کرے گا جیسا کہ پہلوں کو عطا کی۔

اگر اس امت میں کسی نبی نے آنا ہوتا تو یقیناً نبوت کی نعمت، خلافت کی نعمت سے کہیں بڑھ کر ہے تو اس موقع پر اس کا تذکرہ پہلے کیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان سے خلافت کا وعدہ ہے نبوت کا نہیں۔

قرآن کریم کے یہ ارشادات حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے پر بیّن دلائل ہیں۔

آٹھویں آیہ طیبہ:

☆ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ (پ ۱۷ سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

آپ کی ذات اقدس کا تمام جہانوں کے لئے رحمت ہونا یہ واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ خوبیاں اور عظمتیں عطا فرمائی ہیں کہ آپ کی ذات عالمین کو دنیا اور عقبیٰ کے عذاب سے بچانے والی ہے۔ بشرطیکہ آپ کی ذات اقدس سے استفادہ کیا جائے۔ اور آپ کی رحمت کے تصدق سے تو کافروں کو بھی دنیا میں عذاب واستیصال سے محفوظ رکھا گیا۔

اب اگر حضور اکرم ﷺ پر ایمان نجات کے لئے کافی نہ ہو اور آپ کو ماننے کے باوجود کسی کے انکار کی وجہ سے بندہ عذاب الٰہی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ تو یہ آپ کی رحمۃ للعالمین ہونے کے منافی ہوگا۔

اس لئے یہ آیہ کریمہ بھی حضور ﷺ کو آخری نبی ثابت کر رہی ہے کیونکہ اگر آپ کے بعد بھی کسی نبی نے آنا ہوتا تو ظاہر ہے اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہوتا۔ ورنہ نجات ممکن نہیں رہے گی۔ اس طرح حضور ﷺ عالمین کے لئے رحمت نہ رہتے۔ لہذا آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا اس بات کا اعلان ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اسی لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

☆ اَنَا رَسُوْلُ مَنْ اَدْرَكْتُ حَيًّا وَّمَنْ يُّوْلَدُ بَعْدِىْ ۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۱۱۱)

میں ہر اس بندے کی طرف رسول بن کر آیا ہوں جو زندہ ہے اور جو میرے بعد پیدا ہوگا۔

اور یہ فرمانِ باری تعالیٰ بھی اسی کا بیان ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۔(پ۲۲ سورۃ سباء آیت ۲۸)

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔ ان آیات کریمہ کی موجودگی میں کسی اور کو نبی ماننا گمراہی نہیں تو اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

نویں آیہ طیبہ:

وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۔(پ۱۸ سورۃ نور آیت ۵۴) اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

یہ آیہ کریمہ بھی حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے کو بیان کر رہی ہے کیونکہ یہاں حضور ﷺ کی پیروی کو ہدایت کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔ اور ہدایت کا معیار آپ کی پیروی کو قرار دیا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر کسی اور نبی نے بھی آنا ہوتا تو پھر ہدایت کا معیار اس کی پیروی ہوتی نہ کہ حضور ﷺ کی۔ کیونکہ ہدایت اپنے زمانے کے نبی کی پیروی میں منحصر ہوتی ہے۔ اگر کوئی بندہ پہلے تمام انبیاء کو مانتا ہے لیکن اپنے زمانے کے نبی کو نہیں مانتا تو وہ کافر ہوگا۔ اس آیہ کریمہ میں حضور ﷺ کی پیروی کو ہدایت کا معیار قرار دینا (باتفاق مفسرین اس آیت کے مخاطب قیامت تک آنے والے انسان ہیں)۔ نبی کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے پر واضح دلیل ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔(پ۳ سورۃ آل عمرن۔ آیت ۳۱) "(اے میرے نبی مکرم ﷺ!) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور اللہ بڑا معاف فرمانے والا مہربان ہے"۔

تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اس آیہ کریمہ میں مخاطب قیامت تک آنے والے تمام انسان ہیں۔ اس آیہ کریمہ میں حضور ﷺ کی پیروی کو اللہ تعالیٰ کے محبوب بننے کا ذریعہ قرار دیا گیا

ہے اور گناہوں کی بخشش کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے اگر حضور ﷺ کے بعد کسی نبی نے آنا ہوتا تو پھر اس کی پیروی نجات اور بخشش کے لئے ضروری ہوتی ۔ اور حضور ﷺ کو یہ شرف حاصل نہ رہتا۔

تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فرمائے کہ میرے رسول ﷺ کی پیروی نجات اور ہدایت کے لئے کافی ہے اور اللہ کی محبت پانے کے لئے کافی ہے۔ لیکن قادیانی حضرات بضد ہیں کہ اگر حضور ﷺ کے بعد مرزا صاحب کی پیروی نہ کی جائے تو انسان کافر ہو جاتا ہے۔ وہ زمانے کو یہ باور کرانے پر تلے ہوئے ہیں۔

"ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ علیہ السلام کو مانتا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتا یا عیسیٰ علیہ السلام کو مانتا ہے مگر محمد ﷺ کو نہیں مانتا یا محمد ﷺ کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے"۔ (کلمۃ الفصل از صاحبزادہ بشیر احمد ابن مرزا قادیانی مندرجہ ریویو آف ریجیز ص ۱۱۰ بحوالہ قادیانی مسئلہ ۲۶)

مجھے بتائیے کہ یہ قرآن کریم کی صریح مخالفت نہیں ہے تو اسے کیا نام دیا جائے گا؟

دسویں آیت طیبہ:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ ۔۔۔ الخ (پ ۳ سورۃ آل عمران آیت ۸۱)

"اور جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جو میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں پھر آئے تمہارے پاس (عظمت والا) رسول تصدیق کرنے والا اس چیز کی جو تمہارے ساتھ ہو۔

اس آیت مبارکہ میں دو چیزیں حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے پر واضح دلیل ہیں۔ ایک لفظ "ثم" اور دوسرا لفظ "مصدق"

علم نحو کا یہ مسلم قاعدہ ہے کہ "ثم" ترتیب اور تراخی کے لئے آتا ہے۔

علامہ ابن ہشام الانصاری المتوفی 761ھ "ثم" کی بحث میں لکھتے ہیں:

ثم للترتیب والتراخی :اذاقیل جاء زید ثم عمرو فمعناہ ان مجیء عمرووقع بعد مجیء زید بمھلتہ۔

(شرح قطر الندی وبل الصدی، ص ۳۰۲ مکتبہ الفیروز آبادی)

''ثم ترتیب اور تراخی کے لئے آتا ہے جب یہ کہا جائے: جاء زید ثم عمرو۔ کہ زید آیا پھر عمرو آیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرو زید کے بعد آیا''۔

اس واضح حقیقت کی روشنی میں اس آیہ کریمہ میں ثم جاء کم رسول فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ جب تم دنیا میں جا چکو گے تو تم سب کے بعد یہ عظمت والا رسول ﷺ آئے گا۔ لفظ ثم حضور ﷺ کے آخری ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اس آیہ کریمہ میں ختم نبوت پر دوسری دلیل لفظ ''مصدق'' ہے جس کا معنی ہے تصدیق کرنے والا۔ ظاہر ہے کسی کی تصدیق وہی کرے گا جو اس کے بعد میں آئے گا۔ کیونکہ پہلے آکر بعد والے کی صداقت کی خبر دینے والا تو مبشر ہوتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں حضرت عیسی علیہ السلام کو حضور ﷺ کا مبشر کہا گیا ہے اور یہی آیہ کریمہ مصدق اور مبشر کے فرق کو واضح الفاظ میں بیان کرتی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ۔(پ ۲۸ سورۃ الصف آیت ۶)

''اور جب عیسی ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا اس تورات کا جو مجھ سے پہلے موجود ہے اور خوشخبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا اسم گرامی احمد ہوگا''۔

چونکہ نزول تورات حضرت عیسی علیہ السلام سے پہلے ہو چکا تھا اس لئے فرمایا کہ میں تورات کا مصدق ہوں اور حضور ﷺ کی ولادت حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد ہونی تھی اس لئے فرمایا کہ میں

ان کا مبشر ہوں۔اس آیہ کریمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ جو بعد میں آ کر پہلے کے متعلق بتائے وہ اس کا مصدق ہوتا ہے اور جو پہلے آ کر بعد والے کے متعلق بتائے وہ اس کا مبشر ہوتا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں کا مصدق قرار دیا گیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے آخر میں تشریف لائے۔اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آیا ورنہ آپ اس کے مصدق نہ رہیں گے۔

ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم
حدیث پاک کی روشنی میں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے فرمان عظمت نشان آپ کے خاتم النبیین ہونے پر واضح دلیل ہیں چند احادیث مبارکہ پیش کی جاتی ہے۔

پہلی حدیث:

حدثنا قتیبۃ بن سعید ....عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنیٰ بیتاً فاحسنہٗ و اجملہٗ الا موضع لبنۃٍ من زاویۃٍ فجعل الناس یطوفون بہٖ و یعجبونَ لہٗ و یقولُونَ ھلّا وضعتُ ھذہٖ اللبنۃُ قال فانا اللبنۃ و خاتم النبیین (صحیح بخاری، باب خاتم النبیین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اور دوسرے نبیوں کی مثال اس محل کی سی ہے جس کی عمارت اور دیواریں عمدہ ہوں لیکن دیوار میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو۔لوگ اس کے گرد پھر کر اس کی خوبصورتی کو دیکھتے ہیں۔لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی رہنے پر حیران ہیں۔اس اینٹ کا بھرنے والا میں ہوں میرے اوپر عمارت پوری کی گئی اور رسولوں کا سلسلہ ختم ہوا۔

اس حدیث مبارکہ میں وما ینطق عن الھوی کی زبان رکھنے والے، وجہ تخلیق کائنات،

مصطفیٰ کریم ﷺ نے ایک خوبصورت مثال کے ساتھ اپنے خاتم النبیین ہونے کو ظاہر فرمایا جو کہ حدیث کے الفاظ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

دوسری حدیث:

عن ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ سَیَکُونُ فِی اُمَّتِی ثَلَاثُونَ کَذَّابُونَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہُ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِی۔ (رواہ الترمذی) (ابواب الفتن باب لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون حدیث ۲۲۱۹ ص ۱۸۷۵ ترمذی شریف دار السلام للنشر والتوزیع الریاض سعودی عرب)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: آئندہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے ان میں ہر ایک اپنے متعلق گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں سب کے آخر میں آیا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کا اپنے بعد آنے والے مدعی نبوت کو کذاب فرمانا اس بات کو باور کراتا ہے کہ جس نے بھی آپ ﷺ کے بعد دعوی نبوت کیا اس کا اسلام اور اہل اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اور أنا خاتم النبیین لانبی بعدی۔ (میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں) حضور کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے پر واضح دلیل ہے۔

تیسری حدیث:

عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِی طَالِب رَضِیَ اللّٰہ تعالی عنہ قَالَ فِیْ حَدِیْثِہٖ بَیْنَ کَتِفَیْہِ خَاتَمُ النُّبُوَّۃِ وَھُوَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ۔ (ترمذی باب ما جاء ستة النبی ﷺ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ خاتم النبیین ہیں۔

چوتھی حدیث:

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ: کَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللّٰہِ یَعْنِی الَّذِی بَیْنَ کَتِفَیْہِ غُدَّۃً

حَمْرَآءُ مِثْلُ بَیْضَۃِ الْحَمَامَۃِ (جامع ترمذی ص ۲۰۲۸ باب ماجاء فی خاتم النبوۃ من ابواب المناقب عن رسول اللہ الموسوعۃ الکتب الستۃ دار السلام للنشر والتوزیع ۔الریاض ۔سعودی عرب)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مہر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی، کبوتری کے انڈے کی طرح سرخ رنگ کی غدود (لوتھڑا) تھا۔

پانچویں حدیث:

عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ :اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَہٗ وَاَجْمَلَہٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَۃٍ مِنْ زَاوِیَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یطوفونَ بہٖ ویعجبونَ لہ وَیَقُوْلُوْنَ ھَلَّا وُضِعَتْ ھٰذِہِ اللَّبِنَۃُ؟ قَالَ :فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ۔ (بخاری شریف، کتاب المناقب باب خاتم النبیین ص ۱۲۸۸ الموسوعہ الحدیث شریف الکتب الستۃ دار السلام للنشر والتوزیع الریاض ۔سعودی عرب)

حضرت ابو صالح رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک میری اور انبیاء کی مثال جو مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں ایسے ہے جس طرح کسی شخص نے مکان بنایا اسے اچھی طرح بنایا اسے خوبصورت کیا مگر ایک طرف سے ایک اینٹ جتنی جگہ چھوڑ دی۔ پس لوگ اس گھر کے گرد گھومنے لگے اور اس سے خوش ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ کیوں یہ اینٹ چھوڑ دی گئی ہے؟ فرمایا: پس میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

چھٹی حدیث:

عن عنبسہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال الجہادُ حُلْوًا خَضِرًا مَا اَمْطَرَتِ السَّمَاءُ وَاَنْبَتَتِ الْاَرْضُ وَسَیَنْشَاءُ نَشْوٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ یَقُوْلُوْنَ لَا جہادَ وَلَا رِبَاطَ اُولٰئِکَ ھُمْ وُقُوْدُ النَّارِ بَلْ رِبَاطُ یَوْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِنْ عِتْقِ اَلْفٍ وَمِنْ صَدَقَۃِ اَھْلِ الْاَرْضِ جَمِیْعًا (کنز العمال ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب الجہاد فی باب الرباط)

حضرت عنبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جہاد میٹھا اور

سرسبز وشاداب رہے گا جب تک آسمان بارش برساتا رہااور زمین کھیتی اگاتی رہی ۔اور عنقریب مشرق کی جانب سے ایک گروہ پیدا ہوگا۔ وہ لوگ کہیں گے کہ کوئی جہاد نہیں، کوئی حرب وضرب نہیں ۔یہی لوگ جہنم کا ایندھن ہیں ۔(فرمایا) بلکہ اس زمانہ میں جہاد فی سبیل اللہ، ہزار غلام آزاد کرنے سے اور اس سے کہ تمام اہل زمین مل کر صدقہ کریں، سے بہتر ہوگا''۔

اس حدیث پاک میں حضور ﷺ نے واضح الفاظ میں فتنہ قادیانیت کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس بات کا ثبوت خود ان حضرات کی کتب میں موجود ہے۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو !خیال
دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ، ص ۴۱، ۴۲، روحانی خزائن، ص ۷۷، ۷۸، ج ۱۷)

اب بتائیے کہ ایسا شخص کیونکر نبی ہوسکتا ہے جبکہ اس کے لئے وما ینطق عن الھوی کی شان والی زبان حق ترجمان سے ''ھم وقود النار'' کی جزا بیان کردی گئی ہو۔

اجماع صحابہ علی ختم النبوۃ:

ہادئ برحق رسول اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد دین کے فروعی امور جن میں کتاب وسنت کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں امت مسلمہ کا اجماع سنت ہے اور شرعی طور پر اس پر عمل واجب ہے تاکہ امت مسلمہ کی عظمت وشان کا اظہار ہو۔ یہ بات تمام معتبر تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ آقائے دوعالم ﷺ کے وصال مبارک کے فورا بعد جن لوگوں نے نبوت کا دعوی کیا اور جن لوگوں نے ان کی جھوٹی نبوت تسلیم کی ۔ان سب کے خلاف صحابہ کرام نے بالاتفاق جنگ لڑی تھی ۔اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ مسیلمہ کذاب کا واقعہ قابل ذکر ہے۔ یہ شخص بھی نبی مکرم ﷺ کی نبوت کا منکر نہ تھا۔ بلکہ اس کا دعوی یہ تھا کہ اسے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ شریک نبوت بنایا گیا ہے ۔اس نے حضور نبی رحمت ﷺ کے وصال مبارک سے پہلے جو عریضہ آپ ﷺ کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں: مِنْ مُسَیْلَمَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ سَلَامٌ

عَلَيْكَ فَاِنِّي اُشْرِكْتُ فِي الْاَمْرِ مَعَكَ۔

اس کے علاوہ مشہور مورخ طبری نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ مسیلمہ کے ہاں جو اذان دی جاتی تھی اس میں اشهد أن محمد رسول الله کے الفاظ بھی کہے جاتے تھے۔اس صریح اقرار اور رسالت محمدی کے باوجود اسے کافر اور خارج از ملت قرار دیا گیا اور اس سے جنگ کی گئی یہ تمام کاروائی فخر بنی آدم ﷺ کے وصال مبارک کے فوراً بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ہوئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت کے اتفاق سے ہوئی۔اجماع صحابہ کی اس سے زیادہ صریح مثال شاید ہی کوئی اور ہو۔

علماءامت کا اجماع

اجماع صحابہ کے بعد چوتھے نمبر پر مسائل دینیہ میں جس چیز کو حجت کی حیثیت حاصل ہے وہ دور صحابہ کے بعد علماء امت کا اجماع ہے۔تمام علماء مجتہدین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو بھی آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرے اور جو اس کو مانے وہ کافر خارج از اسلام وملت ہے۔چند معتبر علماء مجتہدین کی امثلہ درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ (80ھ تا150ھ)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعوی کیا اور کہا کہ مجھے موقعہ دو کہ میں اپنی نبوت کی علامات پیش کروں۔اس پر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص اس جھوٹی نبوت کی علامات طلب کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔کیونکہ جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے۔لَا نَبِيَّ بَعْدِي۔

(۲) امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (224ھ تا310ھ)

آپ تفسیر قرآن میں آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کی روشنی میں اس کا مفہوم بیان فرماتے ہیں آپ ﷺ جنہوں نے نبوت کو ختم فرمادیا اور اس پر مہر لگادی اب قیامت تک یہ دروازہ کسی کے لئے نہیں کھلے گا۔

(۳) علامہ شہرستانی (متوفی 548ھ)

اپنی کتاب "الملل والنحل" میں لکھتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا ہے۔(بجز عیسیٰ علیہ السلام) تو اس کے کافر ہونے میں دو آدمیوں کے درمیان بھی اختلاف نہیں۔

(۴) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (685ھ)

اپنی مشہور زمانہ تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ انبیاء میں سب سے آخری نبی ہیں جس نے ان کا سلسلہ ختم کر دیا یا جس سے انبیاء کے سلسلہ پر مہر کر دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کا آپ کے بعد نازل ہونا، اس ختم نبوت میں قادح نہیں ہے کیونکہ جب ان کا نزول ہوگا تو آپ ہی کے دین پر ہوگا۔

صدائے دُرویش!

نبوت کا معاملہ بڑا ہی نازک اور اہم ہے قرآن کریم کی رو سے یہ ان بنیادی عقائد میں سے ہے جن کے ماننے اور نہ ماننے پر آدمی کے کفر و ایمان کا انحصار ہے۔ایک شخص نبی ہو اور آدمی اسے نہ مانے تو بھی کافر اور نبی نہ ہو اور وہ اسے نبی مانے تو بھی کافر۔اگر حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صاف صاف اس کی تصریح فرما دیتا اور آپ ﷺ کے ذریعے اس کا کھلم کھلا اعلان کراتا اور حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء دنیا سے کبھی تشریف نہ لے جاتے جب تک اپنی امت کو اچھی طرح خبردار نہ کر دیتے کہ میرے بعد بھی نبی آئیں گے۔اور ان کو تمہیں ماننا پڑے گا نبوت کا دروازہ فی الواقع بند ہے اور کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں ہے۔اس کے باوجود کوئی مسلمان یا دوسرا شخص کسی جھوٹے مدعی نبوت پر ایمان لاتا ہے تو اسے سوچ لینا چاہئے کہ اس کفر کی پاداش سے بچنے کے لئے وہ کون سا ریکارڈ اللہ کریم کی عدالت میں پیش کر سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ رہائی کی توقع رکھتا ہو۔(فافھم وتدبر)

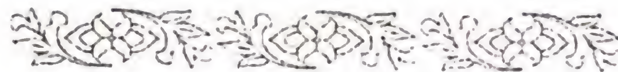
علامہ اقبال فرماتے ہیں:

پس خدا برما شریعت ختم کرد　　بر رسول ما رسالت ختم کرد
خدمت ساقی گری برما گذاشت　　داد مارا آخری جامے کہ داشت

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ - القرآن



رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب



خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب پر
دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب

(بحوالہ قرآن مجید فرقان حمید)

علم غیب کے متعلق عقیدہ اور اس کے مراتب:

علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں۔ (خالص الاعتقاد۔ص ۵)

اول:۔ (۱) اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ، عالم بالذات ہے۔ اس کے بغیر کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔ (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔ (۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم وابراہیم علیہم السلام اور ملک الموت وشیطان بھی خلقت ہیں۔

دوم:۔ (۱) اولیائے عظام رحمہم اللہ کو بھی بالواسطہ انبیائے کرام علیہم السلام سے کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ بڑے غیبوں میں سے بہت سی جزئیات کا علم دیا۔

سوم:۔ (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا بھی علم دیا کہ کب ہوگی۔

(۲) تمام گزشتہ اور آئندہ واقعات جو لوح محفوظ میں ہیں ان کا بلکہ ان سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔ (۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت روح اور قرآن کے سارے متشابہات کا علم دیا گیا۔

لفظ نبی کا مفہوم:۔

نبی کا معنی غیب بتانے والا اور عالم غیب کی خبریں دینے والا ہے۔ لفظ نبی نباءٌ سے بنا اور نباءٌ خبر کو کہتے ہیں۔۔ اس کا استعمال قرآن کریم میں اکثر جگہ ہوا ہے مثلاً:

(۱) نَبِّئْ عِبَادِیْ ۔ (پ ۱۴ ع ۴) خبر دیجئے میرے بندوں کو۔

(۲) وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ ۔ (پ ۶ ع ۹) اور پڑھئے ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر۔

(۳) مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ۔ (پ ۱۹ ع ۱۷) اور میں شہر سبا سے حضور کے پاس ایک پکی خبر لایا ہوں۔

(۴) یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ ۔(پ ۱۰ ع ۵) اے غیب کی خبریں بتانے والے۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کون سی خبر رکھنے والے ہیں۔ نبی کی نسبت اللہ کی طرف ہے تو آپ نبی اللہ ہونے کی حیثیت سے اللہ کی خبر رکھنے والے ہی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غیب ہے یعنی ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اب یہ امر لازمی ہے کہ غیب کا علم بھی غیب ہی ہو سکتا ہے کیونکہ جس کی ذات غیب ہے اس کی صفات بھی ضرور غیب ہوں گی تو اللہ تعالیٰ نے اسی بناء پر آپ کا لقب اسم با مسمی ''نبی'' رکھا۔ اور نبی صفت مشبہ ہونے کی وجہ سے دوام پر دلالت کرتا ہے۔ اس واسطے یہ ثابت ہوا کہ نبی کو جتنا علم غیب عطا کیا ہو وہ نبی کو علی الدوام رہے گا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عالمین پر نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے آپ پر عالمین کا علم مکمل فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو علی الدوام از روئے نبی ہونے کے محفوظ رکھا۔ نبی چونکہ مامور من اللہ ہوتے ہیں اس لئے بلا اجازت خداوندی ظاہر نہیں فرما سکتے۔ اور ان کا امت پر ظاہر نہ فرمانا ان کے عدم علم پر دلالت نہیں کرتا۔ لہٰذا نبی علیہ السلام کے واسطے تمام عالمین کا علم غیب عطائی علی الدوام ماننا ضروری ہے یعنی از ابتدائے آفرینش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تا قیامت اور جنت و دوزخ وغیرھا سب کا علم غیب بلکہ اس سے بھی زیادہ جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور مخلوق کی عقل سے بالاتر ہے آپ کی شان نبوت کو حاصل ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے:

جب خدا ہی نہ چھپا تم پہ کروڑوں درود　　اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا

پہلی آیت:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا۔ (پ ۲۹ ع ۱۲)

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کہ ان کے آگے پیچھے پہرا مقرر کر دیتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مرتضیٰ رسولوں کے لئے عطائی علم غیب کا ثبوت

ملتا ہے جبکہ ہمارے آقا احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تو سب مرتضیٰ رسولوں میں سے اعلیٰ اور اللہ رب العزت کے حبیب ہیں۔لہٰذا باقی انبیائے کرام علیہم السلام کے مقابلہ میں حضور ﷺ کو علم غیب بھی سب سے زیادہ عطا فرمایا گیا۔

صاحب تفسیر روح البیان اس آیہ شریفہ کے فائدہ میں رقم طراز ہیں۔اَنَّہٗ تَعَالٰی لَا یُطْلِعُ عَلَی الْغَیْبِ الَّذِیْ یَخْتَصُّ بِہٖ تَعَالٰی عِلْمُہٗ اِلَّا الْمُرْتَضٰی الَّذِیْ یَکُوْنُ رَسُوْلًا وَمَا لَا یَخْتَصُّ بِہٖ یُطْلِعُ عَلَیْہِ غَیْرَ الرَّسُوْلِ۔

یعنی حق سبحانہ وتعالیٰ اس غیب پر جو اس سے خاص ہے کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسول کے اور جو غیب کہ رب العزت سے خاص نہیں اس پر غیر رسول کو بھی مطلع فرما دیتا ہے۔

تو معلوم ہوا انبیائے کرام کو اللہ کریم خاص غیوب پر بھی اطلاع دیتا ہے اور اعلیٰ درجہ کا کشف عطا فرماتا ہے اگرچہ بعض اولیاء اللہ کو بھی علوم غیبیہ بخشے جاتے ہیں مگر نبی کے واسطے سے اور نبی کا علم ہمیشہ ان سے اعلیٰ ہوتا ہے۔

دوسری آیت:۔وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔(پ۴ع۹)

اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ (اے عام لوگو) تمہیں غیب کا علم دے۔ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

معلوم ہوا اس غیب سے وہ غیب مراد ہے جو دلائل سے بھی معلوم نہ ہو سکے جیسے آئندہ واقعات اور ان چیزوں کا علم جو اللہ کریم کا اپنا غیب ہے۔ورنہ جو غیب دلائل سے معلوم ہو سکے جیسے رب تعالیٰ کی ذات وصفات اس پر تو ایمان ضروری ہے۔تفسیر روح البیان میں ہے:

فَاِنَّ غَیْبَ الْحَقَائِقِ وَالْاَحْوَالِ لَا یَنْکَشِفُ بِلَا وَاسِطَۃِ الرَّسُوْلِ۔

یعنی حقیقتوں اور حالات کے غیب نہیں ظاہر ہوتے بغیر رسول علیہ السلام کے واسطہ سے۔

شان نزول اس آیت کا اس طرح ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نے وعظ میں ارشاد فرمایا: اللہ

تعالیٰ نے میری ساری امت کو پیدائش سے پہلے مجھ پر پیش فرمایا اور مجھے علم دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون نہیں۔ منافقوں نے اس وعظ شریف کا مذاق اڑایا اور بولے ہم در پردہ کافر مگر حضور ہم کو مومن سمجھے ہوئے ہیں اور دعوی یہ کہ لوگوں کی پیدائش سے پہلے آپ مومن و کافر پہچانتے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگوں کا یہ حال ہے کہ ہمارے علم پر طعن کرتے ہیں۔ اچھا آج سے قیامت تک ہونے والے واقعات میں سے جو چاہو پوچھ لو۔ عبداللہ ابن حذافہ سہمی نے عرض کی میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ۔ آخر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہم اللہ کے رب ہونے پر اور آپ ﷺ کے نبی ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہیں تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ اس قسم کے طعنوں سے کیا باز رہو گے؟ اس واقعہ سے چند مسائل معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو قیامت تک کے ہر واقعہ کی خبر دی اور اپنے خاص غیب پر مطلع فرمایا۔ دوسرا یہ کہ حضور ﷺ کے علم غیب پر اعتراض کرنا منافقوں کا کام ہے۔ تیسرا یہ کہ حضور ﷺ کو ان باتوں کی بھی خبر ہے جس کی خبر دوسروں کو نہیں ہوتی۔ حذافہ عبداللہ کا باپ ہونا یہ وہ پوشیدہ خبر ہے جسکی خبر سوائے ان کی ماں کے کسی کو نہیں مگر آپ ﷺ اسے بھی جانتے ہیں۔

تیسری آیت: وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ (پ ۵ ع ۱۴) اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

تفسیر جلالین شریف میں ہے: وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ مِنَ الْاَحْكَامِ وَالْغَيْبِ۔ (یہاں من بیانیہ ہے) یعنی تمام احکام شرعیہ اور تمام غیب سکھائے۔

صاحب تفسیر حسینی بحر الحقائق سے اسی آیت کے تحت نقل فرماتے ہیں: ''آں علم ما کان وما یکون ہست کہ حق سبحانہ در شب اسرا بداں حضرت عطا فرمود۔ چنانچہ در حدیث معراج ہست کہ من در زیر عرش بودم قطرہ در حلق من ریختند فعلمت ما کان وما یکون''۔

یہ ماکان اور مایکون کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے شب معراج حضور ﷺ کو عطا فرمایا۔ چنانچہ معراج شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا۔ پس ہم نے سارے گذشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لئے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کریم نے تمام علوم غیبیہ اپنے حبیب ﷺ کو سکھا دیئے اور اعلان فرمایا:

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے جبکہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ۔ (پ۵ ع۸) اے حبیب ﷺ! فرمادو کہ تمام دنیا کا سامان قلیل (تھوڑا) ہے۔ اس قلیل کا اندازہ کوئی دنیادار نہیں لگا سکتا تو محبوب خدا ﷺ پر فضل عظیم کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

دیگر معلوم ہوا کہ تمام دنیا حضور ﷺ کے ملک کا ایک ادنیٰ حصہ ہے ورنہ آپ ﷺ پر فضل عظیم کیسے ہوگا؟ عاشق مصطفی ﷺ امام احمد رضا نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب پر   دوعالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے

چوتھی آیت:۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ۔ (پ۷ ع۱۰) ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔ تفسیر عرائس البیان میں آیت مذکورہ کے تحت لکھا ہے: اَيْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ ذِكْرَ اَحَدٍ مِنَ الْخَلْقِ لٰكِنْ لَّا يُبْصِرُ ذِكْرَهٗ فِي الْكِتَابِ اِلَّا الْمُؤَيَّدُوْنَ بِاَنْوَارِ الْمَعْرِفَةِ۔ یعنی اس کتاب میں مخلوقات میں سے کسی کا ذکر نہ چھوڑا ہے لیکن اس ذکر کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وہ جن کی معرفت کے انوار سے تائید کی گئی ہو۔

اب واضح ہوا کہ کتاب سے مراد قرآن مجید یا لوح محفوظ ہے یعنی ہم نے قرآن حکیم میں سارے علوم بیان کر دیئے کچھ بچا نہ رکھا۔ کیونکہ حضور ﷺ سے زیادہ اور کون محبوب تھا جس کے لئے وہ علوم اٹھا رکھے جاتے۔ اس سے رسول اکرم ﷺ کا علم غیب کلی ثابت ہوا۔ کیونکہ سارے علوم ان کتابوں میں ہیں اور یہ کتابیں حضور ﷺ کے علم مبارک میں ہیں۔ نیز اگر کسی کو یہ علوم بتانا نہ تھے تو اللہ کریم نے انہیں لکھا ہی کیوں؟ لکھنے کا منشا یہ تو ہے نہیں کہ اللہ رب العزت کو اپنے بھول

جانے کا اندیشہ تھا تو لامحالہ اس لئے لکھا کہ اپنے محبوبوں کو بتائے۔ الغرض سارے علوم قرآن اور لوح محفوظ میں ہیں اور قرآن ولوح محفوظ حضور ﷺ کے علم میں۔

پانچویں آیت:

وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۔ (پ ۱۱ ع ۹) اور لوح میں جو کچھ لکھا ہوا ہے۔ (یہ قرآن) سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں۔

صاحب تفسیر روح البیان اس آیہ مقدسہ کے فائدہ میں رقم طراز ہیں: اَیْ وَتَفْصِیْلَ مَاحُقِّقَ وَاُثْبِتَ مِنَ الْحَقَائِقِ وَالشَّرَائِعِ وَفِی التَّاوِیْلَاتِ النَّجْمِیَّةِ اَیْ تَفْصِیْلَ الْجُمْلَةِ الَّتِی هِیَ الْمُقَدَّرُ الْمَكْتُوْبُ فِی الْكِتٰبِ الَّذِی لَا یَتَطَرَّقُ اِلَیْهِ الْمَحْوُ وَالْاِثْبَاتُ لِاَنَّهٗ اَزَلِیٌّ اَبَدِیٌّ

یعنی یہ قرآن ان شرعی اور حقیقت کی چیزوں کی تفصیل ہے جو ثابت کی جا چکی ہیں اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس تمام کی تفصیل ہے جو تقدیر میں آچکی ہیں اور اس کتاب میں لکھی جاچکی ہیں جس میں رد و بدل نہیں ہوتا کیونکہ وہ کتاب ازلی وابدی ہے۔

معلوم ہوا کہ قرآن میں لوح محفوظ کی پوری تفصیل ہے اور لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں اور سارا قرآن حضور ﷺ کے علم مبارک میں ہے تو گویا لوح محفوظ کے تمام علوم اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمائے ہیں۔

امام شرف الدین بوصیری فرماتے ہیں:

وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ ۔ (قصیدہ بردہ شریف۔ ص ۴۱)

یعنی لوح وقلم کا سارا علم حضور ﷺ کے علم کا ایک حصہ ہے۔

چھٹی آیت:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۔ (پ ۱۴ ع ۱۸) اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت

اور بشارت مسلمانوں کو۔

تفسیر حسینی میں اس آیہ مقدسہ کے تحت لکھا ہے: ''نزلنا فرستادیم علیک الکتاب بر تو قرآن تبیانا لکل شیء بیان روشن برائے ہمہ چیز از امور دین و دنیا تفصیل و اجمال''

یعنی ہم نے آپ پر یہ کتاب، قرآن دین و دنیا کی ہر چیز کا روشن بیان بنا کر بھیجی تفصیلی و اجمالی

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امت کے سارے علوم حدیث کی شرح ہیں اور حدیث شریف، قرآن مجید کی شرح ہے۔ لہذا جب قرآن حکیم میں تمام غیبی علوم موجود ہیں اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پورے قرآن کو جانتے ہیں تو ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے کلی علم غیب عطا فرمایا۔ امام اہل سنت کیا خوب فرماتے ہیں:

ان پر کتاب اتری بیانا لکل شیء
تفصیل جس میں ماعبر وماغبر کی ہے

یعنی قرآن کریم دین و دنیا کی ہر چیز کا روشن بیان ہے اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر بھی ہیں؟ تو فورا فرمایا: ہاں! عمر کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر تو سارے امتیوں کے نیک اعمال کی گنتی جانتے ہیں اور آسمان کے تمام چھوٹے بڑے تاروں کے شمار سے بھی واقف ہیں۔ برابری کی بات وہی بتا سکتا ہے جو دونوں کی تعداد جانے۔

ساتویں آیت:۔

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○ (پ ۲۷ ع ۱۱) رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا، ما کان و ما یکون کا بیان انہیں سکھایا

صاحب تفسیر معالم التنزیل اس آیت شریفہ کے فائدہ میں لکھتے ہیں ''خَلَقَ الْاِنْسَانَ اَیْ مُحَمَّدًا عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ یَعْنِیْ بَیَانَ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ'' یعنی اللہ تعالی نے

انسان بمعنی محمد ﷺ کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری اگلی پچھلی باتوں کا بیان سکھا دیا۔ تفسیر خازن میں ہے "قِیۡلَ اَرَادَ بِالۡاِنۡسَانِ مُحَمَّدًا ﷺ عَلَّمَهُ الۡبَیَانَ یَعۡنِیۡ مَا کَانَ وَمَا یَکُوۡنُ لِاَنَّهٗ عَلَیۡهِ السَّلَامُ نَبِیٌّ عَنۡ خَبَرِ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡاٰخِرِیۡنَ وَعَنۡ یَوۡمِ الدِّیۡنِ۔ یعنی کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد ﷺ ہیں کہ ان کو اگلے پچھلے امور کا بیان سکھا دیا گیا۔ کیونکہ حضور ﷺ کو اگلوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے دن کی خبر دے دی گئی ہے۔ تو معلوم ہوا سکھانے والا اللہ تعالیٰ، جو کتاب سکھائی گئی وہ قرآن حکیم جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور جسے سکھائی گئی وہ نبیوں کے سلطان (ﷺ) تو پھر آپ ﷺ کے علم شریف میں کوئی کمی کیسے رہ سکتی ہے؟ جو شخص حضور ﷺ کے علم پر اعتراض کرتا ہے معاذ اللہ اس کے نزدیک یا تو قرآن کریم میں کل علم نہیں ہے یا اللہ تعالیٰ نے اچھی طرح پورا قرآن سکھایا ہی نہیں، اور یا نبی اکرم ﷺ قرآن کو صحیح طرح سمجھ نہیں سکے، ایسا شخص خدا اور رسول اور قرآن کریم کا منکر ہے۔

تو دانائے ماکان وما یکون ہے　　مگر بے خبر، بے خبر دیکھتے ہیں

آٹھویں آیت:

ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهِ اِلَیۡکَ۔ (پ ۳ ع ۱۳) یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم خفیہ طور پر (اے محبوب ﷺ!) تمہیں بتاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے تین مسئلے ثابت ہوئے: (۱) نبی اکرم ﷺ کو کسی قسم کی وحی ہو القاء کے ذریعے یا فرشتہ کے ذریعے یا من وراء حجاب اس کو غیب ہی کہا جائے گا۔ جیسے قرآن حکیم۔ (۲) حضور ﷺ کو علم غیب باعطائے الٰہی ہے ذاتی نہیں۔ (۳) قرآن کریم کے تیس پارے رسول اللہ ﷺ کے مغیبات سے بعض علم غیب ہے۔

تو معلوم ہوا کہ علم غیب سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت و رسالت ﷺ کی دلیل بھی ہے کیونکہ آپ کے مشاہدہ میں تمام گزشتہ اور آئندہ حالات ہیں۔ تفسیر بیضاوی شریف میں ہے نبی کریم ﷺ اپنے نور نبوت کے لحاظ سے ہر وقت ہر جگہ جلوہ گر ہیں اور ہر شے سے خبردار گذشتہ اور

آئندہ واقعات کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

نویں آیت:

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا إِلَيْكَ ۔ (پ۱۲ ع۴) یہ غیب کی خبریں ہیں (اے محبوب ﷺ) ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔ چنانچہ عینی شرح بخاری ج۸ ص۶۸ پر اور قسطلانی مطبوعہ مصر ج۶ ص۱۸۵ پر مرقوم ہے کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا اس میں یہ شعر بھی تھا:

وَاَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ لَارَبَّ غَيْرُهٗ   وَاَنَّكَ مَأْمُوْنٌ عَلٰى كُلِّ غَائِبِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اے نبی ﷺ آپ ہر غیب کے امر پر مامون ہیں۔

روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ان اشعار کو سن کر تبسم فرمایا اور محظوظ ہوئے۔ دیکھو اگر آپ ﷺ کو علم غیب نہ ہوتا یا شرک وکفر ہوتا تو آپ ﷺ منع فرما دیتے مگر یہاں آپ ﷺ نے مسکراہٹ کا اظہار فرمایا۔

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا   چشمۂ علم وحکمت پہ لاکھوں سلام

اب واضح ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائے جانے کے باوجود بھی غیب کے علم کو غیب ہی کہا جاتا ہے جیسا کہ اگلی آیت مبارکہ سے ظاہر ہے۔

دسویں آیت:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۔ (پ۳۰ ع۶) اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ تو یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کو علم غیب ہو اور آپ ﷺ لوگوں کو اس سے مطلع فرما دیتے ہوں تفسیر خازن میں ہے يَقُوْلُ اِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَاْتِيْهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَبْخَلُ بِهٖ عَلَيْكُمْ وَيُخْبِرُكُمْ بِهٖ یعنی حضور ﷺ کے پاس علم غیب آتا ہے تو تم پر اس میں بخل نہیں فرماتے بلکہ تم کو خبر دیتے ہیں۔

اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ کو علم غیب دیا گیا۔ دوسرا یہ کہ آپ ﷺ نے اس میں سے بہت کچھ بتا دیا۔ ظاہر ہے کہ بخیل نہ ہونا، سخی ہونا اسی کی صفت ہو سکتی ہے جس کے پاس قدرت کے خزانے ہوں اور وہ مخلوق خدا میں بانٹتا رہے۔ غیب سے مراد مسائل شرعیہ ہیں جو عالم غیب سے آئے یا گذشتہ یا آئندہ زمانے کے غیبی حالات مراد ہیں یا عالم غیب کی خبریں۔ تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نہ صرف علم غیب جانتے ہیں بلکہ لوگوں کو سکھاتے بھی ہیں اور سکھائے گا وہ جو خود جانتا ہو۔

بخاری میں ہے اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی۔ (بخاری باب قول اللہ تعالیٰ فان للہ خمسہ وللرسول) یعنی میں تقسیم کرنے والا ہوں اور میرے پاس خزانے ہیں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔

قادرِ کل کے نائب اکبر کن کا رنگ دکھاتے یہ ہیں

گیارہویں آیت:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ۔ (پ ا ع ۴) اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کیں۔ صاحب تفسیر روح البیان اس آیہ مقدسہ کے فائدہ میں رقم طراز ہیں:

وَعَلَّمَہٗ اَحْوَالَھَا وَمَا یَتَعَلَّقُ بِھَا مِنَ الْمَنَافِعِ الدِّیْنِیَّۃِ وَالدُّنْیَوِیَّۃِ وَعَلَّمَ اَسْمَاءَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَاَسْمَاءَ ذُرِّیَّتِہٖ وَاَسْمَاءَ الْحَیْوَانَاتِ وَالْجَمَادَاتِ وَصَنْعَۃَ کُلِّ شَیْءٍ وَاَسْمَاءَ الْمُدُنِ وَالْقُرٰی وَاَسْمَاءَ الطَّیْرِ وَالشَّجَرِ وَمَا یَکُوْنُ وَاَسْمَاءَ کُلِّ شَیْءٍ یَخْلُقُھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَاَسْمَاءَ الْمَطْعُوْمَاتِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ وَکُلِّ نَعِیْمٍ فِی الْجَنَّۃِ وَاَسْمَاءَ کُلِّ شَیْءٍ وَفِی الْخَبَرِ عَلَّمَہٗ سَبْعَ مِائَۃِ اَلْفِ لُغَاتٍ۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کو چیزوں کے حالات سکھائے اور جو کچھ ان میں دینی و دنیاوی نفع ہیں وہ بتائے اور ان کو فرشتوں کے نام ان کی اولاد اور حیوانات اور جمادات کے نام بتائے اور ہر چیز کا

بنانا بتایا۔ تمام شہروں اور گاؤں کے نام پرندوں اور درختوں کے نام جو ہو چکا یا جو کچھ بھی ہوگا ان کے نام اور جو قیامت تک پیدا فرمائے گا ان کے نام۔ اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام، جنت کی ہر نعمت غرضیکہ ہر چیز کے نام بتا دیئے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سات لاکھ زبانیں سکھائی گئیں۔ تو واضح ہوا کہ ما کان وما یکون کے سارے علوم سیدنا آدم صفی اللہ کو دیئے گئے۔ لیکن اب ہمارے آقا و مولا حبیب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم تو دیکھیں۔ حق تو یہ ہے کہ یہ سارا علم آدم ہمارے آقا کے دریائے علم کا ایک قطرہ یا میدان علم کا ایک ذرہ ہے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن العربی فتوحات مکیہ باب دہم میں فرماتے ہیں اَوَّلُ نَائِبٍ كَانَ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلِيْفَتُهٗ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ اور نائب سیدنا آدم علیہ السلام ہیں۔ اب خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے تو معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل سارے انبیائے کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب تھے

ترمذی شریف میں اسناد حسن کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن ابی ھریرۃ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ (ترمذی شریف، باب فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ ص ۶۶۷) فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! فرمائیے: آپ کے لئے نبوت کب واجب اور ثابت کر دی گئی تھی؟ فرمایا: اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔ یعنی ان کی تخلیق بھی عمل میں نہیں آئی تھی۔

بارھویں آیت:

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (پ ۲ ع ۱) اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہیں۔ واضح ہو شہید اللہ رب العزت کا نام بھی ہے۔

لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (پ ۵ ع ۴) بے شک ہر چیز اللہ

تعالیٰ کے سامنے ہے صاحب تفسیر نور العرفان اس آیت کریمہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیامت میں حضور ﷺ اپنی امت کے تقوی وطہارت کی گواہی دیں گے کہ یہ لوگ گواہی کے لائق ہیں فاسق نہیں اسی لئے علیکم فرمایا اور نبی علیہ السلام کی یہ گواہی سنی سنائی نہ ہوگی کیونکہ سنی گواہی تو مومنین دے چکے تھے اس سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم نور مجسم ﷺ نے تمام انبیائے کرام کے حالات آنکھوں سے دیکھے اور اپنی امت کے ہر ظاہر و باطن حال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقدمہ کی تحقیقات حاکم کی بے علمی کی دلیل نہیں کہ حق تعالی روز قیامت بعد تحقیقات فیصلہ فرمائے گا جبکہ اللہ تعالی تو جانتا ہے کہ نبی سچے ہیں اسی طرح اگر حضور ﷺ مقدمات میں تحقیق فرمائیں اور گواہی وغیرہ لیں تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضور ﷺ کو خبر نہ ہو بلکہ مقدمات کا یہی قاعدہ ہے۔

تیرہویں آیت:

وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ (پ۵ع۳)

اور اے محبوب! (ﷺ) تمہیں ان سب پر گواہ ونگہبان بنا کر لائیں۔

تفسیر نیشاپوری میں اسی آیہ شریفہ کے تحت درج ہے: لِاَنَّ رُوْحَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَاهِدٌ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَرْوَاحِ وَالْقُلُوْبِ وَالنُّفُوْسِ بِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ۔

اس لئے کہ حضور ﷺ کی روح مبارک تمام روحوں اور دلوں اور نفسوں کو دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالی نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے۔اور تفسیر مدارک میں ہے:

اَیْ شَاهِدًا عَلٰى مَنْ اٰمَنَ بِالْاِيْمَانِ وَعَلٰى مَنْ كَفَرَ بِالْكُفْرِ وَعَلٰى مَنْ نَافَقَ بِالنِّفَاقِ۔

یعنی حضور ﷺ گواہ ہیں مومنوں پر ان کے ایمان کے۔کافروں پر ان کے کفر کے اور منافقوں پر ان کے نفاق کے۔

اب واضح ہو، ہر نبی اپنی امت کے نیک وبد کی گواہی دیں گے اور امت محمدی ﷺ ان نبیوں کی گواہ ہوگی اور حضور ﷺ اپنی امت کے گواہ ہوں گے نگران گواہیوں میں فرق ہوگا کہ آپ

ﷺ کی امت کی گواہی تو آپ ﷺ سے سن کر ہوگی اور آپ ﷺ کی گواہی چشم دید ہوگی تو گویا نبی کریم ﷺ اگلے، پچھلے تمام حالات کا مشاہدہ فرمارہے ہیں۔اور از اول تا روز قیامت تمام لوگوں کے کفر وایمان ونفاق واعمال وغیرہ سب کو جانتے ہیں اسی لئے آپ ﷺ ہی سب کے گواہ ہیں اور یہی تو علم غیب ہے۔اعلیٰ حضرت بریلوی فرماتے ہیں:

فضل خدا سے غیب شہادت ہوا انہیں
اس پر شہادت آیت وحی واثر کی ہے

چودھویں آیت: مَنْ ذَا الَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ۔ (پ ۳ ع ۲) وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بغیر اس کے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔

صاحب تفسیر روح البیان اس آیت کریمہ کے فائدہ میں رقم طراز ہیں: یَعْلَمُ مُحَمَّدٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ مِنَ الْاُمُوْرِ الْاَوَّلِیَّاتِ قَبْلَ الْخَلَائِقِ وَمَا خَلْفَھُمْ مِنْ اَحْوَالِ الْقِیَامَۃِ وَفَزَعِ الْخَلْقِ وَغَضَبِ الرَّبِّ۔ یعنی حضور ﷺ مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کرنے کے پہلے کے واقعات اور ان کے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں قیامت کے احوال مخلوق کی گھبراہٹ اور اللہ تعالیٰ کا غضب وغیرہ۔

اب معلوم ہوا کہ آیت الکرسی میں من ذا الذی سے لے کر الا بما شآء تک تین صفات مبارکہ حضور ﷺ کی بیان ہوئیں۔باقی اول وآخر صفات الٰہیہ ہیں۔اس میں فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس کوئی بغیر اجازت کسی کی شفاعت نہیں کرسکتا۔اور جن کو شفاعت کی اجازت ہے وہ شفیع المذنبین حضور علیہ السلام ہیں اور شفیع کے لئے ضروری ہے کہ گناہ گاروں کے انجام اور ان کے حالات سے واقف ہوتا کہ نااہل کی شفاعت نہ ہوجائے اور مستحق شفاعت سے محروم نہ رہ جائیں۔جیسے ڈاکٹر کے لئے ضروری ہے کہ قابل علاج اور لاعلاج مریضوں کو جانے۔تو فرمایا گیا: یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ۔ کہ جس کو ہم نے شفیع بنایا ہے اس کو تمام کا علم بھی دیا ہے کیونکہ شفاعت کبریٰ کے لئے علم غیب لازم ہے۔

پندرہویں آیت: وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۔(پ ۷ ع ۱۳)اور نہیں ہے کوئی تر اور خشک جو روشن کتاب میں نہ لکھا ہو۔

معلوم ہوا کہ ہر ادنی، اعلیٰ چیز لوح محفوظ میں لکھی ہے اور یہ لکھنا اس لئے نہیں کہ اللہ رب العزت کو اپنے بھول جانے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا لکھ لیا بلکہ اپنے خاص مقرب بندوں کو بتانے کے لئے ہے جن کی نظر لوح محفوظ پر ہے۔ تو برسر مطلب یہ کہ علم غیب حساب سے، عقل سے حاصل نہیں ہوتا یہ تو اللہ کریم کی خاص ملک ہے۔ اس کے پاس ہے جسے وہ دے اسے ملے۔

تفسیر ابن عباس میں اس آیت شریفہ کے ماتحت درج ہے:

كُلُّ ذٰلِكَ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ مُبِيْنٌ مِقْدَارُهَا وَوَقْتُهَا ۔ یعنی یہ تمام چیزیں لوح محفوظ میں ہیں کہ ان کی مقدار اور ان کا وقت بیان کر دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا لوح محفوظ میں ہر خشک و تر، ادنی و اعلیٰ چیز ہے اور لوح محفوظ کو فرشتے اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندے جانتے ہیں اور علم مصطفیٰ ﷺ ان سب کو محیط ہے لہٰذا یہ تمام علوم حضور ﷺ کے دریائے علم کے قطرے ہیں۔ دیگر لوح محفوظ کو کتاب مبین یعنی ظاہر کر دینے والی کتاب اس لئے فرمایا گیا ہے کہ لوح محفوظ علوم غیبیہ ان حضرات پر ظاہر کر دیتی ہے جن کی نظر اس پر ہے۔ جیسے بعض فرشتے اور انبیاء و اولیائے کرام اگر اس پر کسی کی نظر نہ ہو تو وہ کتاب مبین نہ ہوگی۔

مست بادۂ قیوم حضرت عارف روم فرماتے ہیں:

لوح محفوظ است پیش اولیا ازچہ محفوظ اند محفوظ از خطا

سولہویں آیت: مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ ۔(پ ۱۳ ع ۶) یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں اپنے سے اگلی کلاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔

صاحب تفسیر حسینی لکھتے ہیں: وَتَفْصِيْلُ كُلِّ شَيْءٍ وبیان ہمہ چیزہا کہ محتاج باشد در دین و دنیا یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہے جس کی دین و دنیا میں ضرورت ہے۔ اور کتاب

الاعجاز لابن سراقہ میں ہے:

مَا مِنْ شَیْءٍ فِی الْعَالَمِ اِلَّا هُوَ فِی کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔ یعنی عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔ تو معلوم ہوا سب احکام شرعیہ اور تمام علوم قرآن پاک میں موجود ہیں اور قرآن کریم حضور ﷺ کے علم مبارک میں ہے۔

ستر ہویں آیت:

مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۔(پ۲۹ ع۳) تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں یا اپنے رب کی نعمت کی وجہ سے مجنون نہیں۔ کیونکہ نبوت اور جنون کا اجتماع ناممکن ہے۔ نبی پر جہان کا بوجھ ہے وہ معاذ اللہ مجنون ہوں تو سارا عالم تباہ ہو جائے۔

اللہ کریم غریق رحمت فرمائے صاحب تفسیر روح البیان کو انہوں نے اس آیت کریمہ کی شرح کا حق ادا کر دیا فرماتے ہیں: بِمَسْتُوْرٍ عِلْمًا كَانَ فِی الْاَزَلِ وَمَا سَیَكُوْنُ اِلَی الْاَبَدِ لِاَنَّ الْجِنَّ هُوَ السَّتْرُ بَلْ اَنْتَ عَالِمٌ بِمَا كَانَ وَخَبِیْرٌ بِمَا سَیَكُوْنُ۔ یعنی آپ سے وہ باتیں چھپی ہوئی نہیں ہیں جو ازل میں تھیں اور وہ جو ابد تک ہوں گی۔ کیونکہ جن کے معنی ہیں چھپنا بلکہ آپ اس کو جانتے ہیں جو ہو چکا اور خبردار ہیں اس سے جو ہوگا۔ سبحان اللہ! اس سے حضور ﷺ کا علم غیب کلی ثابت ہوا۔

اٹھارہویں آیت:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۔(پ۱۰ ع۱۴) اور اے محبوب ﷺ! اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے۔

اس آیت شریفہ کا شان نزول کچھ اس طرح ہے کہ غزوہ تبوک میں جاتے ہوئے تین منافقوں میں سے دو آپس میں کچھ یوں بولے کہ حضور ﷺ کا خیال ہے کہ ہم روم پر غالب آ جائیں گے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ تیسرا خاموش رہا مگر ان کی باتوں پر ہنستا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان تینوں کو بلا کر پوچھا تو وہ بولے کہ ہم تو راستہ کاٹنے کے لئے دل لگی کرتے جا رہے تھے۔

اس پر یہ آیت مبارکہ اتری اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غیب کا علم دیا کہ جو تنہائی میں باتیں کی جائیں حضور ﷺ ان کو بھی جانتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ کفر کی باتیں سن کر رضا کے طور پر خاموش رہنا یا ہنسنا بھی کفر ہے۔

انیسویں آیت:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۔(پ ۷ ع ۴) اے ایمان والو! ایسی باتیں (ہمارے محبوب ﷺ سے) نہ پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں۔

اس آیہ مقدسہ کا شان نزول کچھ ایسے ہے کہ بعض لوگ رسول اللہ ﷺ سے اکثر بے فائدہ باتیں پوچھا کرتے تھے۔ جیسے حضور ﷺ میرا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ وہ کہاں ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہ ناگوار خاطر مبارک ہوتا تھا۔ ایک روز ارشاد فرمایا: کہ اچھا جو پوچھنا ہے پوچھ لو ہم ہر بات کا جواب دیں گے ایک شخص نے پوچھا کہ میرا انجام کیا ہے؟ فرمایا: جہنم دوسرے نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: صداقہ یعنی تو حرامی ہے۔ اپنے باپ کے نطفے سے نہیں کیونکہ اس کی ماں کا خاوند کوئی اور تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ ہمارے حبیب ﷺ سے اپنے راز فاش نہ کراؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو ازل سے ابد تک سب کچھ روشن ہے۔ کس کا بیٹا ہے جنت یا جہنم میں جانا ہے وغیرہا۔ حضور ﷺ کو ہر چیز کی خبر ہے اگرچہ ظاہر نہ فرمائیں۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حج فرض ہے کسی نے عرض کیا: ہر سال مگر حضور ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ جب کئی بار یہ سوال دہرایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ اور پھر تم نہ کر سکتے۔

جو میں بیان نہ کروں تم اس کے پیچھے نہ پڑا کرو یعنی جو کچھ حضور ﷺ جانتے ہیں اور آپ ﷺ کے علم مبارک میں ہے وہ کسی اور کے علم میں کہاں ہے؟ سچ ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

بیسویں آیت:

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۔ (پ ۱۲ ع ۱۵) یوسف علیہ السلام نے کہا جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے وہ تمہارے پاس نہ آنے پائے گا کہ میں اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے تمہیں بتا دوں گا۔ واضح ہوا اس میں اپنے علم غیب کا ذکر ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے غیب کا علم دیا کہ تمہیں کھانے کے متعلق تمام باتیں پہلے ہی بتا سکتا ہوں کہ تم کب اور کیا کھاؤ گے؟ اور اس کھانے کا اثر کیا ہوگا اور کھانا کہاں سے آئے گا؟ یہ فقط مثال کے طور پر فرمایا تھا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علوم غیبیہ سے پورے پورے واقف تھے۔

تفسیر روح البیان اور خازن میں اس آیت شریفہ کی شرح کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ میں تمہیں کھانے کے گذشتہ و آئندہ کے سب حالات بتا سکتا ہوں کہ غلہ کہاں سے آیا اور اب کہاں جائے گا؟ جبکہ تفسیر کبیر میں ہے کہ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ کھانا نفع دے گا یا نقصان۔ اب یہ چیزیں وہ ہی بتا سکتا ہے جو ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہو۔ مقام غور ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کتنا ہوگا حالانکہ علم یوسفی علیہ السلام تو فقط حضور علیہ السلام کے دریائے علم کا ایک قطرہ ہے۔

اکیسویں آیت:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (پ ۷ ع ۱۵) اور اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

صاحب تفسیر خازن اس آیت مقدسہ کے فائدہ میں لکھتے ہیں۔ اقیم علی صخرة وكشف له عن السموات حتی رای العرش والكرسی ومافی السموات من العجائب وكشف له عن الارض حتی نظر الی اسفل الارضين ورأى مافيها من العجائب۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صخرہ (چٹان) پر کھڑا کیا گیا اور ان کے لئے آسمان کھول دیئے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جو کچھ آسمانوں میں ہے دیکھ لیا۔ اور آپ کے لئے زمین کھولی گئی۔ یہاں تک کہ انہوں نے زمینوں کی نیچی زمین اور ان عجائبات کو دیکھ لیا جو زمینوں

میں ہیں۔

اور تفسیر روح البیان میں ہے: عجائب وبدائع آسمانها وزمین هااز درده عرش تا تحت الثریٰ بروے منکشف ساخته۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان وزمین کے عجائبات وغرائبات دکھائے اور عرش کی بلندی سے تحت الثری تک کھول دیا۔

معلوم ہوا کہ ازعرش تا تحت الثری حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے گئے اور مخلوق کے اعمال کی بھی خبر دی گئی۔ مگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو حبیب اللہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مبارک توان سے بلند تر ہے۔

بائیسویں آیت:

وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ۔ (پ۳ ع۱۳) میں تمہیں بتاسکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو کچھ جمع کر رکھتے ہو۔

اس آیت کریمہ سے دو چیزوں کا علم خصوصی طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ (۱) پیٹ میں کھائی ہوئی مختلف چیزوں کا علم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دعوی فرمانا کہ میں بتاسکتا ہوں تمہارے پیٹ کی خوردہ اشیاء کی مقدار، جنسیں اور حمل لڑکی کا ہے یا لڑکا۔ مردہ ہے یا زندہ وغیرہ وغیرہ۔

(۲) جو گھروں میں ذخیرہ ہو، مدفون ہو یا محفوظ ہر ذخیرے کو آپ غائبانہ بلا اسباب بیان کرنے کا دعویٰ فرماتے تھے۔ جس کی تصدیق اللہ تعالی نے بھی فرمائی کہ ان کو یہ علم تھا اور حضرت عیسی علیہ السلام کو علوم غیبیہ پیدائشی حاصل تھے۔ جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو ہوتے ہیں۔

صاحب تفسیر نور العرفان اس آیہ شریفہ کے فائدہ میں رقم طراز ہیں۔ خیال رہے تاکلون اور تدخرون مضارع ہے جس میں زمانہ حال اور استقبال دونوں کا احتمال ہوتا ہے یامعنی یہ ہیں کہ جو تم سب لوگ کھا کر آؤ یا جو کچھ سال رواں کے لئے گندم لکڑی وغیرہ جمع کر وہ سب مجھ سے پوچھ لو۔ یا ہر شخص عمر بھر میں جو کچھ کھائے گا یا جمع کرے گا آج ہی سب کچھ میں بتاسکتا ہوں۔ یعنی ہر دانہ کے متعلق جانتا ہوں کہ یہ کس کی قسمت کا ہے تو اب بتاؤ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کتنا ہوگا

جو کہ بحکم الٰہی امام الانبیاء ہیں۔

تیئیسویں آیت:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (پ۱۵ ع۲۱) اور اسے (خضر علیہ السلام) کو اپنا علم لدنی عطا کیا۔

علم لدنی یعنی بغیر کسی سے پڑھے ہوئے، مادرزاد، عالم۔ صاحب تفسیر بیضاوی اس آیت مقدسہ کے تحت لکھتے ہیں: ای مما یختص بنا و لایعلم الا بتوفیقنا وھو علم الغیوب یعنی حضرت خضر علیہ السلام کو وہ علم سکھائے جو ہمارے ساتھ خاص ہیں بغیر ہمارے بتائے کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیب ہے۔

تفسیر مدارک میں ہے: یعنی الاخبار بالغیوب وقیل العلم اللدنی ما حصل للعبد بطریق الالھام۔ یعنی حضرت خضر علیہ السلام کو غیب کی خبریں دیں اور کہا گیا ہے کہ علم لدنی وہ ہوتا ہے جو بندے کو الہام کے طریقہ پر حاصل ہو۔ اور تفسیر خازن میں ہے: ای علم الباطن الھاما یعنی حضرت خضر علیہ السلام کو علم باطن الہام کے طریقہ پر عطا فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا فرمایا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سید اولاد آدم اور باعث تخلیق عالم ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے؟

چوبیسویں آیت:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (پ۱۷ ع۷) ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔

خیال رہے کہ رب نے اپنے لئے رب العالمین فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رحمۃ اللعالمین۔ معلوم ہوا کہ جس کا اللہ تعالیٰ رب ہے اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت مطلق ہے۔ تام ہے، عام ہے، کامل ہے، شامل ہے، عالم غیب وشہادت کو گھیرے ہوئے، دونوں جہاں میں دائمی موجود ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت الٰہیہ کے بارے میں فرمایا ہے وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔ (پ۹ ع۹) اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا

ہے وہ رحمت کون سی رحمت ہے جس نے ہر چیز کا احاطہ کرر کھا ہے بلا شک وشبہ وہ ''رحمت'' رحمت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ راقم السطور کا اسی مناسبت سے ایک بیت ہے:

ہوا ظاہر جہاں میں رحمت للعالمین بن کر
یہی رحمت ہے خلقت پر میرے مولا اماں تیری

پچیسویں آیت:

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی ۔(پ ۲۷ ع ۵) اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

شیخ محقق شیخ عبد الحق محدث دہلوی کتاب مدارج النبوت، ج اوصل رویت الٰہی میں رقم طراز ہیں۔ ''فاوحی الآیۃ'' بتمام علوم ومعارف وحقائق وبشارات واشارات، اخبار وآثار وکرامات وکمالات دراحیطۂ ایں ابہام داخل است وہمہ راشامل وکثرت وعظمت اوست کہ مبہم آورد وبیان نہ کرد اشارات بآنکہ جز علم علام الغیوب ورسول محبوب بہ آں محیط نتوانند شد مگر آں چہ آں حضرت بیان کردہ'' یعنی معراج میں اللہ کریم نے حضور علیہ السلام پر جو سارے علوم اور معرفت اور بشارتیں اور اشارے اور خبریں اور کرامتیں وکمالات وحی فرمائے وہ اس ابہام میں داخل ہیں۔ اور سب کو شامل ہیں ان کی زیادتی اور عظمت ہی کی وجہ سے ان چیزوں کو مبہم رکھا اور بیان نہ کیا اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہ علم (غیب) کا اللہ تبارک وتعالیٰ اور حضور علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی احاطہ نہیں کرسکتا، سوائے ان چیزوں کے جن کو اس نے بیان کردیا ہے۔

☆رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں☆

(1) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مقدسہ میں سورج گرہن ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ہمراہ صلوۃ کسوف کا اہتمام فرمایا اور بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اس بات کا واضح تذکرہ فرمایا۔ یَا اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰہِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا۔ (صحیح بخاری، باب الصدقہ فی الکسوف، ج ۱ ص ۱۴۲ ادارہ البحوث الاسلامیہ اسلام آباد) اے گروہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! خدا

کی قسم! اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

(2) ایک بار مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھنے کے بعد منبر شریف پر تشریف لے گئے اور فرمایا:

هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هٰهُنَا فَوَاللّٰهِ مَا يَخْفِي عَلَيَّ خُشُوعُكُمْ وَلَا رُكُوعُكُمْ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِي ۔ (صحیح بخاری، باب عظمة الامام الناس، ج ا ص ۱۸۹ البحوث الاسلامیہ) تم دیکھتے ہو کہ میرا رخ ادھر ہے لیکن خدا کی قسم! کہ مجھ سے نماز میں نہ تمہارا خشوع اور نہ تمہارا رکوع چھپا رہتا ہے میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

(3) ایک اور روایت میں یہی بیان کچھ ان الفاظ میں بھی ملتا ہے۔

عن انس بن مالك قَالَ صَلّٰى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ صَلوٰةً ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ فِي الصَّلوٰةِ وَفِي الرُّكُوعِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَّرَائِي كَمَا اَرَاكُمْ (صحیح بخاری، باب عظمة الامام الناس) میں تم کو پیچھے سے بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے تم کو سامنے دیکھ رہا ہوں۔

4) ابن عمر رضی الله تعالی عنه قال قام فینا رسول الله ﷺ مقاماً فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم حفظ ذلك من حفظه ونسيه من نسيه ۔ (بخاری شریف۔ کتاب بدء الخلق، ص ۲۵۸ باب ما جاء فی قول الله هو الذی یبدء الخلق الموسوعة الحدیث الشریف الکتب الستة دار السلام للنشر والتوزیع الریاض سعودی عرب) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہم میں ایک جگہ قیام فرمایا پھر ہم کو ابتدائے پیدائش سے لے کر جنتیوں کے اپنی منزلوں میں پہنچنے اور دوزخیوں کے اپنی منزلوں میں پہنچنے تک کی تمام خبریں دیں جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

(5) حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن عمرو بن اخطب قال: صلی بنا رسولُ اللّٰه ﷺ الفجرَ، وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الظُّهْرُ، فَنَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الْعَصْرُ، ثُمَّ

نَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَأَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَأَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا ۔ (مسلم ومشکوۃ) (مسلم شریف ص ۱۲۵۲۔ باب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یکون الی قیام الساعۃ ۔) پس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قیامت تک ہونے والے تمام واقعات کی خبر دے دی پس ہم میں بڑا عالم وہ ہے جو ان باتوں کا زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔

(6) حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا ۔ (مشکوۃ ۔ باب فضائل سید المرسلین ۔ ص ۵۱۲ ۔ قدیمی کتب خانہ کراچی) بے شک اللہ تعالی نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا پس میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَأَيْتُ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى فَقُلْتُ أَنْتَ أَعْلَمُ يَا رَبِّ قَالَ فَوَضَعَ يَدَهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ ۔ (مشکوۃ رواہ الدارمی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا (جو اس کی شان کے لائق ہے) فرمایا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالی نے اپنا دست قدرت میری پشت پر رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے قلب میں پائی پس میں نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو جان لیا۔

(8) مسند احمد و جامع ترمذی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی نے اپنا دست قدرت میری پشت پر رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں پائی۔

فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ ۔ (جامع ترمذی باب تفسیر سورۃ ص)

پس کل شے میرے لئے ظاہر ہوگئی اور میں نے ہر چیز کو پہچان لیا۔

(9) إِنَّ اللّٰهَ قَدْ رَفَعَ لِيَ الدُّنْيَا فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وَإِلٰى مَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا إِلٰى كَفِّيْ هٰذِهٖ جَلِيًّا نًا ۔ (طبرانی، الخصائص الکبری)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمایا۔ پس میں اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے اس ہاتھ کو ظاہر دیکھتا ہوں۔

(10) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

لَقَدْ تَرَكَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا يُحَرِّكُ طَائِرٌ جَنَاحَيْهِ فِي السَّمَاءِ إِلَّا أَذْكَرَنَا مِنْهُ عِلْمًا (طبرانی شریف ،مسند امام احمد بن حنبل)

یعنی حضور پاک ﷺ نے اس حال میں ہم کو چھوڑا کہ کوئی پرندہ اپنے پر بھی نہیں ہلاتا مگر اس کا ہم کو علم بتادیا۔

(11) مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هٰذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ۔ (بخاری شریف باب من لم یتوضأ الا من الغشی)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک میں نے اپنے اس مقام میں ہر وہ چیز دیکھی جو میں نے دیکھی نہ تھی یہاں تک کہ میں نے جنت اور دوزخ کو دیکھا۔

(12) غزوہ بدر کے موقع پر حضور ﷺ نے ہر ایک کی وفات و مقام شہادت بتاتے ہوئے فرمایا:

هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هٰهُنَا وَهٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاتَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔ (مسلم شریف ص ۹۹۵ کتاب الجہاد والسیر باب غزوہ بدر حدیث نمبر ۴۶۲۱ الکتب الستۃ دار السلام والنشر والتوزیع الریاض سعودی عرب)

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ فلاں صحابی کے گرنے اور شہید ہونے کی جگہ ہے اور دست مبارک کو جگہ جگہ رکھ کر بتادیا۔ کوئی شخص بھی اصحاب بدر میں ایسا نہ تھا جو حضور ﷺ کے ارشاد کے علاوہ دوسری جگہ شہید ہوا ہو۔

(13) عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ تعالی عنہ قَالَ وَاللّٰهِ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ قَائِدِ

فِتْنَةٍ اِلٰی اَنْ تَنْقَضِیَ الدُّنْیَا یَبْلُغُ مَنْ مَعَهٗ ثَلٰثَمِائَةٍ فَصَاعِدًا اِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاِسْمِهٖ وَاسْمِ اَبِیْهِ وَاسْمِ قَبِیْلَتِهٖ۔ (سنن ابی داؤد کتاب الفتن والملاحم باب ذکر الفتن ودلائلھا۔ ص ۱۵۳۱ الموسوعۃ الحدیث الشریف الکتب الستۃ دار السلام للنشر والتوزیع)

حضرت حذیفہ سے روایت کیا گیا، فرمایا: اللہ کی قسم! حضور اکرم ﷺ نے دنیا کے ختم ہونے تک کسی فتنہ کے چلانے والے کو نہیں چھوڑا۔ جس کے پیروکار تین سو سے زیادہ ہوں گے مگر رسول پاک ﷺ نے ہمیں فتنہ چلانے والے کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلے کا نام بتا دیا۔

عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ یَوْمَ خَیْبَرَ لَاُعْطِیَنَّ ھٰذِہِ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ (مشکوۃ شریف باب مناقب علی رضی اللہ عنہ ص ۵۶۳۔ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضور نبی کریم ﷺ نے جنگ خیبر کے دن فرمایا کہ میں آئندہ کل یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالی خیبر فتح فرمائے گا۔ وہ شخص اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ اسے دوست رکھتے ہیں۔

جب صبح ہوئی تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: این علی ابن ابی طالب ۔ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی! یارسول اللہ ﷺ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں لعاب مبارک لگایا تو آنکھیں بالکل درست ہوگئیں گویا درد تھا ہی نہیں۔ پس حضور ﷺ نے مولا علی کو جھنڈا عطا فرمایا ان کے ہاتھ پر اللہ تعالی نے خیبر فتح فرمایا۔

(15) رسول پاک ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام فضل رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں عرض کی یارسول اللہ ﷺ آج رات میں نے ایک برا خواب دیکھا، فرمایا وہ خواب کیا ہے؟ عرض کی وہ بہت برا خواب ہے رسول پاک ﷺ نے فرمایا: وہ خواب کیا ہے؟ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا نے عرض کی میں نے دیکھا گویا آپ ﷺ کے جسم انور کا ایک ٹکڑا قطع کیا گیا اور میری گود میں رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رَأَیْتِ خَیْرًا تَلِدُ فَاطِمَۃَ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ غُلَامًا یَکُوْنُ فِیْ حَجْرِکِ (مشکوۃ شریف۔ باب مناقب اھل البیت۔ ص ۵۷۲ قدیمی کتب خانہ کراچی) تو نے اچھا خواب دیکھا فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں ان شاء اللہ لڑکا پیدا ہوگا جو تمہاری گود میں رہے گا۔

حضرت ام فضل فرماتی ہیں پس حضرت فاطمہ کے ہاں حسین پیدا ہوئے تو میری گود میں رہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

(16) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی قَبْرَیْنِ فَاِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ مِنْ کَبِیْرٍ ثُمَّ قَالَ بَلٰی اَمَّا اَحَدُھُمَا یَسْعٰی بِالنَّمِیْمَۃِ وَاَمَّا الآخَرُ فَکَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِہٖ قَالَ ثُمَّ اَخَذَ عُوْدًا رَطْبًا فَکَسَرَہٗ بِاثْنَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ کُلَّ وَاحِدٍ مِنْھُمَا عَلٰی قَبْرٍ ثُمَّ قَالَ لَعَلَّہٗ یُخَفَّفُ عَنْھُمَا مَالَمْ یَیْبَسَا (بخاری شریف۔ ج ۱ ص ۱۸۴ باب عذاب القبر من النمیمۃ والبول کتاب الجنائز۔ ادارہ البحوث الاسلامیہ اسلام آباد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گذرے جن میں عذاب ہو رہا تھا۔ تو فرمایا کہ ان دونوں شخصوں کو عذاب دیا جارہا ہے اور کسی دشوار بات کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا۔ بلکہ ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔ پھر ایک تر شاخ لے کر اس کو آدھا آدھا چیرا پھر ہر ایک قبر میں ایک ایک کو گاڑ دیا اور فرمایا: کہ جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں گی ان دونوں شخصوں کے عذاب میں کمی کی جاوے گی۔

(17) عن الزھری قَالَ اَخْبَرَنِی انس بن المالک اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم خَرَجَ حِیْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّی الظُّھْرَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَذَکَرَ السَّاعَۃَ وَذَکَرَ اَنَّ بَیْنَ یَدَیْھَا اُمُوْرٌ عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَسْاَلَ عَنْ شَیْءٍ فَلْیَسْاَلْ عنہ فواللّٰہِ لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَخْبَرْتُکُمْ بِہٖ مَا دُمْتُ فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا قَالَ اَنَس فَاَکْثَرَ النَّاسُ البکا واکثر رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ یَقُوْلُ سَلُوْنِیْ قَالَ اَنَس فَقَالَ اِلَیْہِ رَجُلٌ فَقَالَ اَیْنَ مدخلی یارسول اللہ قال

النارُ فقامَ عبداللہ بنُ حُذافَۃَ فقالَ مَنْ اَبی یارسول اللہ قالَ اَبُوْکَ حُذافَۃَ قالَ ثُمَّ اَکْثَرَ اَنْ یَّقُوْلُ سَلُوْنِی سَلُوْنِی (بخاری شریف۔ج۲ص۱۰۸۳باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ تفسیر آیت لاتسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم۔سورۃ المائدہ ادارہ البحوث الاسلامیہ اسلام آباد)

حضور ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے۔پس قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں۔پھر فرمایا: کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھ لے۔خدا کی قسم! جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کوئی بات ہم سے نہ پوچھو گے مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے۔ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا: جہنم میں۔عبداللہ بن حذافہ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: حذافہ۔پھر بار بار فرماتے رہے پوچھو پوچھو۔

(18) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

فَقَالَ الرَّجُلُ تَاللّٰہِ اِنْ رَاَیْتُ کَالْیَوْمِ ذِئْبٌ یَتَکَلَّمُ فَقَالَ الذِّئْبُ اَعْجَبُ مِنْ ھٰذَا رَجُلٌ فِی النَّخْلَاتِ بَیْنَ الْحَرَّتَیْنِ یُخْبِرُکُمْ بِمَا مَضٰی وَمَا ھُوَ کَائِنٌ بَعْدَکُمْ۔(مسند امام احمد بن حنبل) شکاری آدمی نے کہا: اللہ کی قسم کہ میں نے آج کی طرح کبھی نہ دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کر رہا ہے تو بھیڑیا بولا کہ اس سے عجیب بات یہ ہے کہ ایک صاحب (حضور ﷺ) دو میدانوں کے درمیان نخلستان (مدینہ طیبہ) میں ہیں اور تم کو گذشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں۔

(19) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اِنِّی لَاَعْرِفُ اَسْمَآءَھُمْ وَاَسْمَآءَ اٰبَاءِھِمْ وَاَلْوَانَ خُیُوْلِھِمْ خَیْرُھُمْ فَوَارِسَ اَوْمِنْ خَیْرِ فَوَارِسَ عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ۔(مشکوۃ شریف۔باب الملاحم۔ص۴۶۷۔قدیمی کتب خانہ کراچی) ہم ان کے (دجال سے جہاد کی تیاری کرنے والوں) نام ان کے باپ، دادا کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتے ہیں وہ روئے زمین پر بہترین سوار ہیں۔

(20) حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت ﷺ میں عرض کی:

ایسا بھی کوئی ہے جس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہوں؟ فرمایا: ہاں! وہ عمر ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف۔ ج ۲، ص ۵۳۲،)

صحابی رسول حضرت ابوسفیان بن الحارث فرماتے ہیں:

یخبرنا بظهر الغیب عما یکون فلا یحون ولایحول

(تلخیص المشکوٰۃ)

وہ (حضور ﷺ) ہمیں غیب کی خبریں بھی سنا دیتے اور اس خبر میں نہ کوئی خامی ہوتی نہ ہیر پھیر۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

وَمَا فِی الْاَرْضِؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ

اِلَّا بِاِذْنِهٖؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْۚ

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَۚ

وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَۚ

وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَاۚ

وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۝

أَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (القرآن)



حاضر و ناظر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم



آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظر، یوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں ولیکن مجھ سے نہاں، اس شان کی جلوہ نمائی ہے!

حاضر وناظر کے لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق

حاضر کے لغوی معنی ہیں سامنے موجود ہونا یعنی غائب نہ ہونا۔

ناظر کے چند معنی ہیں، دیکھنے والا، آنکھ کا تل، نظر، ناک کی رگ، آنکھ کا پانی،

جہاں تک ہماری نظر کام کرے وہاں تک ہم ناظر ہیں اور جس جگہ تک ہماری دسترس ہو کہ تصرف کرلیں وہاں تک ہم حاضر ہیں۔ عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور دور وقریب کی آوازیں سنے یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرے۔ اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے، یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے، ان سب معنی کا مفہوم بزرگان دین کے لئے قرآن وحدیث اور اقوال علماء سے ہے۔

حاضر وناظر کا عقیدہ جماعت اہل سنت کی نظر میں:

اللہ تعالی جل جلالہ وعم نوالہ، اپنی ذات وصفات اور افعال کے لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہے، اس کی ہر صفت ذاتی ہے، قدیم، مستقل ہے، غیر محدود ہے اور مخلوق کی ہر صفت عطائی ہے، حادث ہے، محدود ہے، اللہ تعالی کی کوئی صفت عطائی نہیں ہوسکتی اور مخلوق کی کوئی صفت ذاتی نہیں ہوسکتی۔ یہ وہ بنیاد ہے جس پر توحید کا مضبوط محل قائم ہے اور یہ وہ حدّ فاصل ہے جس سے انسان کفر وشرک سے بچ سکتا ہے۔

اللہ تعالی غیب دان ہے تو بالذات اور انبیاء واولیاء غیب دان ہیں تو اللہ کی عطا سے۔ اللہ تعالی تصرف کرتا ہے تو بالذات اور نبی یا ولی تصرف کرتے ہیں تو اللہ تعالی کی عطا سے۔ اللہ تعالی اندھوں اور کوڑھوں کو تندرست کرتا ہے تو بالذات اور اگر اللہ تعالی کا نبی اندھوں اور کوڑھوں کو تندرست کرتا ہے تو اللہ کی عطا سے۔ اللہ تعالی مردوں کو زندہ کرتا ہے تو بالذات اور اللہ تعالی کا نبی مردوں کو زندہ کرتا ہے تو اللہ کریم کی عطا سے۔ لقولہ تعالی: وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ

الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہ ۔ (پ۳ ع۱۳) اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

اللہ تعالیٰ حاضر وناظر ہے تو بالذات اور اس کا نبی حاضر وناظر ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا سے۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا۔ (پ۲۲ ع۳) اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو شاہد (بمعنی حاضر وناظر) بنا کر بھیجا ہے۔

قابل غور بات ہے کہ لفظ شاھد یا تو شھود سے مشتق ہے یا مشاھدہ سے۔ اگر شھود سے مشتق مانا جائے تو اس کا معنی ہوگا حاضر اور اگر مشاھدہ سے مشتق مانا جائے تو معنی ہوگا ناظر۔

مطلب مقصد آدم برسر مطلب۔ اللہ تعالیٰ ذاتی اعتبار سے حاضر وناظر ہے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر وناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔ اسی مشارکت سے شرک لازم نہیں آتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۔ (پ۲ ع۱) یعنی اللہ رؤف بھی ہے، رحیم بھی ہے۔ اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی فرمایا: بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ (پ۱۱ ع۵) یعنی میرا حبیب رؤف بھی ہے اور رحیم بھی۔ اللہ تعالیٰ بھی سمیع بصیر ہے۔

اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۔ (پ۱۵ ع۱) اور بندہ بھی سمیع وبصیر ہے۔

فجعلنه سميعا بصيرا ۔ (پ۲۹ ع۱۹) کیونکہ اللہ تعالیٰ رؤف ورحیم ہے تو بالذات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رؤف رحیم ہیں تو اللہ کی عطا سے۔ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے تو بالذات اور بندہ سمیع وبصیر ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا سے۔ لہٰذا ہمیشہ اس فرق کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ مخلوق کے لئے کوئی صفت ذاتی نہیں مانی جاسکتی۔ لیکن اگر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی، کسی بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صفت سے انکار کیا جائے تو یہ گستاخی کے سبب کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توحید ورسالت کو صحیح صحیح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حاضر وناظر کا مفہوم:

حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کے فضل وعطا سے بحیات حقیقی زندہ اور ہر زمان

ومکان میں حاضر وناظر ہیں۔لہٰذا سارا جہاں زمین وآسمان، عرش وکرسی، لوح وقلم، ملک وملکوت، سب کا سب حضور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے سامنے اور پیش نظر ہے۔کوئی بھی چیز آپ سے غیب اور پوشیدہ نہیں۔امام اہل سنت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں

سر عرش پر ہے تیری گزر، دل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت وملک میں کوئی شے نہیں وہ تجھ پہ عیاں نہیں

اللھم صل وسلم وبارك على النبى المختار سيد الابرار وعلى آله الاطهار وصحبه الاخيار الى يوم القرار۔

عقیدۂ حاضر وناظر قرآن پاک کی روشنی میں

پہلی آیت:۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ (پ۲۲ع۳) اے پیارے حبیب ﷺ! ہم نے آپ کو شاہد (یعنی حاضر وناظر) بنا کر بھیجا ہے۔خوشخبری دینے والا، ڈرسنانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

اس آیت مبارکہ میں رسول اکرم ﷺ کو شاہد فرمایا گیا، شاہد شہود سے ہے اور شہود حضور ہے۔ یا شاہد، مشاہدہ سے ہے اور مشاہدہ، رؤیت (دیکھنا) ہے، شاہد کے معنی از روئے تفسیر ملاحظہ ہوں۔ (تفسیر خازن ج ۷ ص ۱۹۲) شُھُوْدٌ اَیْ حُضُوْرٌ! یعنی حاضر ہونا۔

قرآن پاک میں بھی اس کی شرح موجود ہے:

كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ۔ (پ۱۱ع۱۲) ہم تم پر حاضر ہوتے ہیں جب تم اس میں عمل شروع کرتے ہو۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ شاہد گواہ کا معنی دیتا ہے تو بھی حضور کا حاظر ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ گواہ وہ ہوتا ہے جو موقع پر موجود ہو اور دیکھی ہوئی چیز کی گواہی دے۔رسول اللہ ﷺ

کو شاہد یا تو اس لئے فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ دنیا میں عالم غیب کو دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں۔ ورنہ سارے انبیاء گواہ تھے۔ اس لئے کہ روز قیامت سب انبیاء کی عینی گواہی دیں گے۔ اور یہ گواہی بغیر دیکھے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آپ کا مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ ہونا ہے کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کئے مگر سن کر جبکہ حضور ﷺ نے دیکھ کر۔ اس لئے معراج شریف فقط آپ ﷺ کو ہوئی۔ سراج منیر، آفتاب کو کہتے ہیں وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے۔ گھر گھر میں موجود، آپ ﷺ بھی ہر جگہ موجود ہیں۔

اس آیت کریمہ کے ہر کلمہ سے حضور ﷺ کا حاضر ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوسری آیت:۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۔ (پ۲۶ ع۹) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا۔

صاحب تفسیر نور العرفان اس آیہ شریفہ کے فائدہ میں رقم طراز ہیں کہ شاہد کے معنی ہیں محبوب حاضر اور مشاہدہ کرنے والا گواہ۔ گواہ کو شاہد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ موقعہ واردات پر حاضر تھا۔ محبوب کو شاہد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ عاشق کے دل میں حاضر رہتا ہے۔

حضور ﷺ ان تینوں معنی سے شاہد کامل ہیں۔ حضور ﷺ کی محبوبیت انسانوں اور زمانوں سے محدود نہیں۔ آپ ﷺ خدا تعالیٰ کے محبوب ہیں، اور خدائی کے محبوب لکڑیاں، پتھر اور جانور بھی حضور ﷺ کے فراق میں روتے تھے۔ نیز آج بھی بغیر دیکھے لاکھوں، کروڑوں حضور ﷺ کے عاشق ہیں۔ دیگر حضور خالق کے دربار میں مخلوق کے گواہ ہیں کہ سب کے فیصلے حضور ﷺ کی گواہی پر ہوں گے اور مخلوق کے سامنے خالق کے عینی گواہ۔ حضور ﷺ نے جس کے جنتی یا دوزخی ہونے کی گواہی دی، برحق دی، کلام اللہ شریف میں بھی اس کی شرح موجود ہے۔

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۔ (پ۳۰ ع۱۰) اور قسم اس کی جو گواہ (بمعنی مشاہدہ کرنے والا) اور اس کی جو حاضر کیا گیا۔ اس کا ترجمہ تفسیر سے بھی ملاحظہ ہو۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ الشَّاهِدُ هُوَ مُحَمَّدٌ ﷺ (تفسیر ابن جریر ۳۰/۱۷، تفسیر ابن کثیر ۴/۴۹۲)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ شاہد بمعنی مشاہدہ کرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

وَمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۔اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور ڈرانے کو شہادت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ گذشتہ نبی سن کر بشیر ونذیر تھے اور حضور دیکھ کر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت و دوزخ، ملائکہ بلکہ خود رب العزت کو بچشم سر، معراج میں دیکھا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کیا خوب فرماتے ہیں:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب خدا ہی نہ چھپا، تم پہ کروڑوں درود

تیسری آیت:۔اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ (پ۲۹ ع۱۴) بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجے کہ تم پر حاضر و ناظر ہیں جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجے۔

اس آیہ کریمہ سے کئی مسائل حل ہوتے ہیں۔

(۱) ہم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اول پیدائش ہی سے فرق ہے۔ وہ یہ کہ ہم سب رب کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کئے ہوئے بھی ہیں اور بھیجے ہوئے بھی۔ جیسے کسی ملک میں دوسرے ملک کے عام باشندے کی آمد اور سفیر یا وزیر کی آمد۔ ہم یہاں اپنی ذمہ داری پر آئے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کریم کی ذمہ داری پر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام و کلام رب کی طرف سے ہے۔ ہم نے یہاں آکر سیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیکھ کر آئے۔ حضور کے ذریعہ مخلوق و خالق کا تعلق قائم ہے۔ جیسے سفیر کے ذریعہ دو ملکوں کا یا وزیر کے ذریعہ بادشاہ و رعایا کا۔

(۲) شاہد، حاضر محبوب، گواہ اور مشاہدہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ ہر صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تم گناہوں سے بچو اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے غیرت کرو جو تمہارے ہر حال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور گواہ ہیں۔

دیگر اللہ رب العزت نے اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کو حضرت موسی علیہ السلام کے مشاہدہ سے تشبیہ دی۔ یعنی جیسا کہ سیدنا موسی علیہ السلام اس وقت حاضر و ناظر ہونے کی حیثیت میں فرعون کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ایسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم سب کو بلا تکلف مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

مست بادۂ قیوم حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

درنظر بودش مقامات العباد   لاجرم نامش خدا شاہد نہاد

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سب بندوں کے مقامات ہیں۔ اسی لئے تو اللہ تعالی نے آپ کا نام مبارک شاہد (بمعنی حاضر و ناظر) رکھا ہے۔

چوتھی آیت:۔ وَيَكُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔ (پ۲ ع۱) اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ یعنی تم سب پر حاضر و ناظر ہیں۔ شہید کے معنی حاضر و ناظر بھی ہے اور شہید اللہ تعالی کا نام بھی ہے۔

لقولہ تعالی: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا۔ (پ۵ ع۴) بے شک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔

مشکوۃ شریف میں اللہ تعالی کے اسمائے مقدسہ میں الشھید کے ساتھ بین السطور لکھا ہے۔ الحاظر یعنی شہید کا معنی حاضر و ناظر ہے۔

دیگر تفسیر ابن العربی، تفسیر عزیزی اور تفسیر روح البیان میں اس آیہ شریفہ کے فائدہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نور نبوت سے شخص کی ایمانی حالت اس کا دینی درجہ اور اس کی محبوبی اور نیک و بد اعمال اور اخلاص و نفاق اور تمام صفات جانتے ہیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دنیا اور آخرت میں معتبر بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض امتی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے یہ ساری باتیں جانتے ہیں حدیث پاک میں ہے:

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ۔ (مسلم شریف ج۲ ص۱۴۰) مومن

کی فراست سے ڈرتے رہو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اسی مقام پر حضور پیران پیر دستگیر سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں:

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا

کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالِ

میں نے خدا تعالیٰ کے تمام شہروں کی طرف دیکھا تو وہ سب مل کر رائی کے دانے کے برابر تھے۔

پانچویں آیت:۔ وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ شَھِیْدًا۔ (پ ۵ ع ۴۳) اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! تمہیں ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگلے پچھلے تمام حالات کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ کیونکہ سچا گواہ وہ ہوتا ہے جو موقع پر حاضر و ناظر ہو۔ یعنی لفظ شہید کا معنی مشاہدہ کرنے والا بھی ہے کہ گواہی فقط حاضر و ناظر ہی دے سکتا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ روز قیامت دیگر انبیاء کرام کی امتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے۔ انبیاء کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دیئے تھے۔ اپنی گواہی کے لئے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کریں گے۔ ان کی گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہیں پایا تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ تو یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی لی جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو گواہیاں دیں گے۔ ایک تو یہ کہ انبیاء نے تبلیغ فرمائی اور دوسری یہ کہ میری امت والے قابل گواہ ہیں۔ پس مقدمہ ختم ہو جائے گا انبیائے کرام کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گذشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے ملاحظہ نہ فرمایا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی۔ جیسا کہ امت کی گواہی پر جرح ہوئی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلے ہوئی تھی۔ اس

سے آپ ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔

عاشق مصطفیٰ الشاہ احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:

فضل خدا سے غیب شہادت ہوا نہیں

اس پر شہادت آیت و وحی و اثر کی ہے

چھٹی آیت:۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (پ۲۱ ع۱۷) نبی مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہے۔

جب نبی علیہ السلام مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں تو پھر آپ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے میں کیا شبہ رہ گیا۔ یعنی مومنین کی جانیں اس قدر ان کے قریب نہیں ہیں جتنا کہ حضور ﷺ کا قرب مومنین سے ہے، اولیٰ کے معنی ہیں زیادہ قریب، زیادہ مالک، زیادہ حقدار، یہاں تینوں معنی درست ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ہر مومن کے دل میں حاضر و ناظر ہیں۔

بانی مدرسہ دیوبند مولوی قاسم نانوتوی اپنی کتاب ''تحذیر الناس'' میں (ص ۱۰) پر اس آیہ مقدسہ کے فائدہ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اولیٰ کے معنی قریب تر ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوئے نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں، سب سے زیادہ قریب ہم سے ہماری جان ہے۔ اور جان سے بھی قریب نبی علیہ السلام ہیں اور زیادہ قریب چیز بھی چھپی رہتی ہے اسی زیادتی قرب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے۔

ساتویں آیت:۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ۔ (پ ۱۱ ع ۵) بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔

اس آیہ مبارکہ سے چند مسائل کھلتے ہیں۔

ایک یہ کہ بعض سخی بلا کر دیتے ہیں لیکن حضور ﷺ ہر مومن کے دل و جان میں جلوہ گر ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ حضور ﷺ کو اپنی امت سے وہ تعلق ہے جو روح کو جسم سے ہوتا ہے کہ اس کے ہر عضو

کی تکلیف سے آگاہ ہوتی ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس آیہ مقدسہ کی تشریح وتفسیر میں کتاب جاء الحق میں (ص ۱۴۰) پر لکھتے ہیں۔اس آیہ مبارکہ سے تین طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر وناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ایک یہ کہ جاءکم میں قیامت تک کے لوگوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ،جس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عالم میں ہر جگہ ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر جگہ ہیں۔

دوم یہ کہ من انفسکم تمہارے نفسوں میں سے ہیں۔یعنی ان کا آنا تم میں ایسا ہے جیسے جان کا قالب میں آنا کہ قالب کی رگ رگ اور رونگٹے ،رونگٹے میں موجود اور ہر ایک سے آگاہ رہتی ہے۔ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے ہر فعل سے واقف ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے:

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظر، یوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں ولیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

اگر اسی آیہ کریمہ کے صرف یہ معنی ہوتے کہ وہ تم میں سے ایک انسان ہیں تو منکم کافی تھا۔من انفسکم کیوں ارشاد فرمایا؟

سوم یہ کہ عزیز علیہ ماعنتم۔ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ ہماری راحت وتکلیف کی ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہے۔تب ہی تو ہماری تکلیف سے قلب اطہر کو تکلیف ہوتی ہے۔ورنہ اگر ہماری خبر ہی نہ ہو تو تکلیف کیسی؟ یہ کلمہ بھی حقیقت میں انفسکم کا بیان ہے کہ جس طرح جسم کے کسی عضو کو دکھ ہو تو روح کو تکلیف ہوتی ہے اسی طرح تم کو دکھ درد ہو تو کریم ولجپال آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانی!

اس کرم پہ قربان ہو سو بار اپنی جان

آٹھویں آیت:۔ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ۔

(پ ۴ ع ۱) اور تم کیونکر کفر کرو گے تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول تشریف فرما ہے۔

یعنی اے مسلمانو! تم کفار کی طرح کیسے انکار کر سکتے ہو جبکہ تم پر اللہ تعالی کی آیات بینات پڑھی جاتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ بھی تم میں موجود ہیں۔ فیکم میں خطاب یا صحابہ کرام سے ہے یا تا قیامت سارے مسلمانوں سے۔ یعنی اے صحابہ تم میں بحیات ظاہری اللہ کے رسول موجود ہیں تم کیسے بہکو گے۔ یا اے مسلمانو! تم میں رسول اللہ ﷺ ایسے موجود ہیں، جیسے جسم میں جان یا آنکھوں میں نظر کہ دکھائی نہیں دیتے مگر سب کرشمہ فیض انہی کا ہے۔ (از تفسیر روح المعانی)

اگر چہ نبی کریم ﷺ ہماری ظاہری آنکھوں سے پردہ فرما گئے، لیکن وہ اب بھی ہم میں موجود ہیں۔ انہیں ہماری سر کی آنکھیں نہیں دیکھتیں مگر دل کی آنکھیں دیکھتی ہیں۔ بعض خوش نصیب انہیں ظاہری آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

در دلِ مسلم مقام مصطفیٰ است   آبروئے مازنامِ مصطفیٰ است

اس لئے مومن قبر میں انہیں بے تکلف پہچان لے گا کہ وہ تو اس کے دل میں رہتے تھے تا قیامت مسلمانوں کے اندر رہنے پر قرآن مجید کی کافی آیات بینات دال ہیں۔ جیسے یہاں بھی رب کریم ﷺ نے فرمایا: وفیکم رسولہ اے مسلمانو! تم میں اللہ کے رسول جلوہ گر ہیں۔

نویں آیت:۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔ (پ ۹ ع ۱۸) اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب ﷺ! تم ان میں تشریف فرما ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ہر وقت ہر مسلمان کے ساتھ ہیں۔ اسی لئے ہم پر ہمارے گناہوں کی وجہ سے عذاب نہیں آتا کیونکہ عذاب نہ آنے کی وجہ حضور ﷺ کی موجودگی ہے۔ یعنی نبی اکرم ﷺ قیامت تک ہر جگہ موجود ہیں۔ اس لئے تا قیامت کسی بھی جگہ عذاب نہ آئے گا۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ حضور ﷺ ہر سعید و شقی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اعلی حضرت بریلوی فرماتے ہیں:

ہے انہیں کے دم قدم سے باغ عالم میں بہار

وہ نہ تھے، عالم نہ تھا گروہ نہ ہوں، عالم نہ ہو

دسویں آیت:۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (پ۲۲ع۹) اور اے محبوب ﷺ! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

معلوم ہوا کہ اور لوگ دنیا میں آئے ہیں۔ حضور ﷺ بھیجے گئے ہیں۔ لہذا ہم اپنے خود ذمہ دار ہیں اور حضور ﷺ کا رب تعالی ذمہ دار ہے۔ جیسے کسی جگہ خود جانا اور حکومت کا سفیر بن کر جانا۔ بہر حال دنیا میں آئے سب مگر آنے کی نوعیت میں فرق ہے: كَآفَّةً لِّلنَّاسِ کے جملے نے ثابت کردیا کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالی نے سیدنا آدم علیہ السلام سے تاقیامت مرسل بنا کر بھیجا ہے۔ اور رسول کو اپنی امت کی اطلاع اور مشاہدہ ہو تو ہی رسالت درست ہوسکتی ہے۔ اور اسی مشاہدہ کو حاضر و ناظر کہا جاتا ہے۔

گیارہویں آیت:۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (پ۹ع۱۰) تم فرماؤ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں۔

اگرچہ حضور ﷺ تمام مخلوق کے نبی ہیں مگر چونکہ انسان سب سے اشرف ہے باقی اس کے تابع ہیں اس لئے صرف انسانوں کا ذکر فرمایا۔ پھر آگے چل کر اس خطاب میں اسوقت کے موجودہ انسانوں اور تاقیامت ہونے والے سب کو داخل فرمایا کہ سب پر آپ ﷺ کی اطاعت واجب ہے بلکہ اگر گذشتہ تمام انسان بھی داخل ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ پر ایمان لانا سب پر لازم تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی نبوت زمان و مکان سے مقید نہیں اس لئے اللہ تعالی نے حضور ﷺ کی رسالت کا عہد انبیائے کرام سے لیا تھا۔

☆ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ـــــ الخ۔ الغرض بھیجنے والا ہو تمام کی طرف اللہ تعالی اور بھیجے

گئے ہوں تمام کی طرف رسول اللہ ﷺ اور ہر ایک فرد کے پاس آپ پہنچے نہیں تو جسکے پاس آپ ﷺ نہ پہنچیں اس کے لئے آپ کی رسالت کیسی؟ کیونکہ رسول کے معنی ہی بھیجے ہوئے کے ہیں اور آپ کا رسول اللہ ہونا کیسا؟ معلوم ہوا کہ آپ کا رسول اللہ ہونا تمام کی طرف تب صحیح ہوسکتا ہے جب آپ تمام کے واسطے حاضر وناظر ہوں۔

بارہویں آیت:۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۔(پ۵ع۹) اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو اے محبوب ﷺ! تمہارے پاس حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ظلم، زمان ومکان کسی قسم کی قید نہیں۔ ہر قسم کا مجرم ہر زمانے میں خواہ کسی قسم کا جرم کرے تمہارے آستانہ پر آجائے اور جاؤک میں یہ قید نہیں کہ مدینہ طیبہ میں ہی آئے بلکہ ان کی طرف توجہ کرنا یہ بھی ان کی بارگاہ میں حاضری ہے۔ اگر مدینہ شریف کی حاضری نصیب ہوجائے تو زہے نصیب۔ لہذا واضح ہوا حضور ﷺ کی بارگاہ میں وہ شفاخانہ ہے جس میں ہر بیماری کی دوا ہے۔ کسی کو محروم واپس نہیں کیا جاتا کوئی آنے والا ہو۔ خیال رہے کہ ہمارے پاس حضور ﷺ کا آنا اور ہے اور ہمارا حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونا کچھ اور۔ سورج کا ہمارے پاس آنا یہ ہے کہ وہ ہم پر چمک جائے اور ہمارا سورج کے پاس آنا یہ ہے کہ ہم آڑ ہٹا کر اس کی دھوپ میں آجائیں۔ دیگر اللہ تعالی تواب اور رحیم اس کے لئے ہے جو حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور حضور ﷺ اس کے لئے دعا فرمائیں۔ ورنہ وہ قہار وجبار ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو آپ ﷺ کے دروازہ پر آجائے وہ رب کو پائے گا۔ مگر صفت رحمت میں۔ گویا حضور ﷺ اللہ تعالی کا پتہ ہیں اسی پتے پر اللہ کریم ملتا ہے۔

دیگر فرمان باری تعالی ہے: تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (پ۱۸ع۱۰) اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو! سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

پس شرع کو جلدی منظور ہے، گھڑی بھر کی تاخیر منظور نہیں۔ نہ یہ کہ مہینے دو مہینے کے لئے ملتوی کرلی جائے اور توبہ کا طریقہ بھی اللہ تعالی بیان فرماتا ہے:

☆ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ ــــ الخ۔ صاحب رشد الایمان اس آیہ کریمہ کی تشریح میں فرماتے ہیں: توبہ کا حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالی سے مانگو اور فوراً مانگو اور طریقہ یہ بتایا گیا کہ رسول کریم ﷺ کے حضور حاضر ہو کر توبہ کرو اگر وہ دور ہیں تو فوری توبہ کیسے ممکن اور مدینہ طیبہ میں حاضر ہونا ہر مسلمان کو کیسے آسان! نہیں نہیں۔ یہی معنی ہیں کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ ہر مسلمان کے دل میں وہ تشریف فرما ہیں، ہر مسلمان کے گھر میں حضور ﷺ جلوہ فرما ہیں۔

اعلی حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بحکم خدا تم ہو موجود ہر جا
بظاہر ہے طیبہ ٹھکانہ تمہارا

تیرہویں آیت:۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ۔ (پ۱۵ ع۱۶) اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں۔

اسی آیہ کریمہ سے ثابت ہوا جو محض اللہ کی رضا کے لئے اس کا ذکر کرتے ہیں ان کے واسطے خدا کی طرف سے نبی علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا اور آپ کی معیت ان کے ساتھ صحیح ہے۔ اور حضور ﷺ کی توجہ خاص ہے ایک آن کے لئے بھی آپ کی توجہ ان سے مبذول نہیں ہوتی۔ خواہ وہ ذکر کرنے والے کسی زمان و مکان میں ہوں۔ ولا تعد عینك عنهم سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی نگاہ کرم ہمیشہ اپنی امت کے صالحین پر ہے۔ خواہ وہ کہیں اور کسی زمانے میں ہوں حضور ﷺ کی نگاہ میں ہیں اس سے حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چودہویں آیت:۔ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهٗ وَالْمُؤْمِنُونَ۔ (پ۱۱ ع۲)

اور تم فرماؤ کام کرو اب تمہارے کام دیکھے گا اللہ اور اس کے رسول اور مومنین۔

یہ آیت شریفہ حضور نبی کریم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کی شہادت دے رہی ہے اور بالترتیب رویت کے مراتب بھی بیان فرمادیئے۔ سب سے پہلے اللہ رب العزت بصیر ہے اس لئے حق تعالی نے تمام اعمال کی رؤیت کو اپنی ذات کے واسطے مقدم فرمایا۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ ناظر ہیں۔ اس واسطے اعملوا کے عموم کو بیان فرماتے ہوئے اپنے رسول ﷺ کی رؤیت کو ان کے واسطے ثابت فرمایا۔ آپ کے بعد چونکہ اولیائے کرام کا درجہ ہے۔ اس واسطے ان کی رؤیت کا ذکر ورسوله کے بعد والمؤمنون سے مدلل کر دیا کہ اولیائے کرام بھی دیکھیں گے تمام سب کام۔ (بمعنی عمل)

پندرہویں آیت: تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ (پ ۱۸ ع ۱۶) بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ خاص پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالی نے عالمین کے نذیر ہونے کا مرتبہ حضور ﷺ کو عنایت فرمایا۔ مقام غور ہے ایسے نذیر کا وجود عالمین سے مفقود ہو جائے تو کیا ان کی نذارت عالمین کے واسطے ہو سکتی ہے؟ یا جس عالم میں ان کی ذات موجود نہ ہو۔ ان کے واسطے وہ نذیر بن سکتے ہیں؟ تو ثابت ہوا کہ عالمین کے نذیر ہونے کے لئے نذیر کی موجودیت تمام عالمین میں ضروری ہے۔

سولہویں آیت: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (پ ۱۷ ع ۷) اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔

خیال رہے رب نے اپنے لئے رب العالمین فرمایا اور حضور ﷺ کے لئے رحمۃ للعالمین۔ معلوم ہوا کہ جس کا اللہ تعالی رب ہے اس کے لئے حضور ﷺ رحمت ہیں۔ چنانچہ آپ کی رحمت مطلق ہے، تام ہے، عام ہے، کامل ہے، شامل ہے، عالم غیب و شہادت کو گھیرے ہوئے، دونوں جہان میں دائمی موجود ہے۔ دیگر اللہ تعالی نے محض نبی علیہ السلام کو ہی رحمت للعالمین ہونے کا

خطاب فرمایا۔ یہ خصوصیت صرف آپ کے لئے مخصوص ہے۔ حضور ﷺ سبب اور عالمین مسبب۔ مسبب کا وجود بغیر سبب محال ہے۔ معلوم ہوا کہ عالمین کے قیام کا دارومدار اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ہی رکھا ہے۔ اگر آپ ﷺ کی رحمت تمام جہانوں کو شامل حال نہ ہو تو سب عالمین بوجہ اعمال خود قائم نہیں رہ سکتے۔ یہ سب عالمین کا ظہور و قیام فقط نبی علیہ السلام کی موجودیت پر ہے۔ راقم السطور کا ایک بیت ہے:

ہوا ظاہر جہاں میں رحمت للعالمیں بن کر
یہی رحمت ہے خلقت پر میرے مولیٰ اماں تیری

کیونکہ آپ ﷺ ہی رحمت الٰہیہ ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

☆ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ۔ (پ ۹ ع ۹) اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

اس آیت مبارکہ سے رحمت اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہی ہو سکتے ہیں۔ کل شیء عالمین میں داخل ہے اللہ تعالیٰ کا خطاب اور رحمت، عالمین کے واسطے آپ ہی ہیں۔ اس واسطے نبی ﷺ کی ذات رحمت، عالمین کی ہر شے پر محیط ہے۔ اس لئے آپ حاضر و ناظر ہونے کے بغیر وسعت کل شیء کے مصداق نہیں بن سکتے۔ اور آپ کی رحمت پر اللہ کی ذات محیط ہے۔ اس واسطے آپ کی رحمت کا جدا ہونا عالمین سے محال ہے۔

سترہویں آیت: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (پ ۸ ع ۱۴) بے شک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے۔

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوا کہ مومنین کے لئے رحمۃ اللہ حضور نبی کریم ﷺ ہیں۔ کیونکہ ان کا عقیدہ یہی ہے اور محسنین کے لئے رحمۃ اللہ کو قریب فرمایا۔ معلوم ہوا جو نبی ﷺ کو قریب اور حاضر و ناظر نہیں سمجھتے وہ محسنین سے نہیں ہیں اور نہ ان کی کوئی نیکی منظور ہے۔

تفسیر نعیمی میں ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت حضور نبی کریم ﷺ ہیں کہ رب نے انہیں رحمت

للعالمین فرمایا اور محسنین سے مراد ہیں اچھے عقیدے والے لوگ۔ یعنی مومنین سے نبی علیہ السلام بہت قریب ہیں۔ ان کے جلوے مومنوں کے دلوں میں دماغوں میں ہیں۔ بلکہ مومنوں کی روح میں جلوہ گر ہوتے رہتے ہیں۔

اس کی تفسیر وہ آیت اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ۔ نبی علیہ السلام مسلمانوں سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ سبحان اللہ رب تعالیٰ شہ رگ سے زیادہ قریب ہے اور اس کے محبوب جان سے زیادہ نزدیک۔ چونکہ رحمت بمعنی رحم ہے اس لئے قریب مذکر لایا گیا۔ قریبۃ نہ ارشاد ہوا۔ دیگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی رحمت، اللہ کا فضل ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہر محسن ہر مومن سے قریب ہیں اس سے مسئلہ حاضر وناظر حل ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی فرماتے ہیں:

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں، وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں
کوئی کہہ دو یاس و امید سے، وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

اٹھارہویں آیت: اِنَّہٗ یَرٰکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ۔ (پ۸ ع۱۰) بے شک وہ اور ان کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔

یعنی شیطان اور اس کی ذریت سارے جہان کے لوگوں کو دیکھتے ہیں۔ لوگ انہیں نہیں دیکھتے۔ جہاں کسی نے کسی جگہ اچھے کام کا ارادہ کیا اسے اس کی نیت کی خبر ہوگئی فوراً بہکایا۔ جب رب نے گمراہ گر کو اتنا علم دیا کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سارے عالم کے ہادی ہیں انہیں بھی حاضر و ناظر بنایا تاکہ دوا، بیماری سے کمزور نہ ہو۔ افسوس ہے ان پر جو شیطان کی وسعت علم و نظر کا اقرار کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے انکاری ہو جائیں۔ امام احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:

خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے
دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے

انیسویں آیت: وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝ (پ۲۹ ع۵) اور رہے عاد وہ ہلاک کئے گئے نہایت سخت گرجتی آندھی سے، وہ ان پر قوت سے لگادی سات راتیں اور آٹھ دن لگا تار۔ تو ان لوگوں کو ان میں دیکھو بچھڑے ہوئے گویا وہ کھجور کے ڈنڈ ہیں گرے ہوئے تو تم ان میں کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو۔

اس آیہ کریمہ سے اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کا قوم عاد کے عذاب کو تمام ہفتہ ملاحظہ فرمانا ثابت کردیا جو فتری القوم فیھا سے واضح ہے اور اس وقت چپے چپے اور ذرے ذرے کی رویت نبی ﷺ کے واسطے فھل تری لھم من باقیۃ سے عیاں ہے۔

اس کا ترجمہ تفسیر ابن جریر سے ملاحظہ ہو:

فَتَرٰى يَا مُحَمَّدُ ﷺ قَوْمَ عَادٍ فِيْ تِلْكَ السَّبْعِ اللَّيَالِيْ وَالثَّمَانِيَةِ الْاَيَّامِ۔ پس دیکھتے تھے تم یا محمد ﷺ قوم عاد کو اس سات شب اور سات دنوں میں۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی نگاہ اگلی پچھلی چیزوں کو ملاحظہ فرماتی ہے کیونکہ قوم عاد کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ تم دیکھ رہے ہو حالانکہ یہ واقعہ بہت پہلے کا ہے۔ اس سے آپ ﷺ کا حاضر وناظر ہونا ثابت ہے۔

بیسویں آیت: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ۔ (پ۳۰ ع۱۴) کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی نگاہ پاک اگلے پچھلے تمام واقعات کا مشاہدہ کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے شب معراج ان لوگوں کا بھی عذاب ملاحظہ فرمایا جو اس وقت ابھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔

قوم عاد کا واقعہ ولادت باسعادت سے بہت پہلے کا ہے۔ مگر ارشاد باری تعالیٰ ہے الم تر کیا تم نے نہ دیکھا یعنی دیکھا ہے حاضر وناظر پر سبحان اللہ کیا واضح فرمان ہے۔

اکیسویں آیت: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ ۔ (پ ۲۶ ع ۱۳) اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں تمام صحابہ کرام سے خطاب ہے۔ اور صحابہ کرام تو مختلف مقامات پر رہتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب جگہ ان کے پاس حاضر وناظر ہیں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں اس آیہ کریمہ سے دو مسئلے کھلتے ہیں۔ ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں جھوٹ بولنا سخت گناہ ہے۔ اور دوسرا یہ کہ نعت شریف لکھنے، پڑھنے والوں، عرض و معروض کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنا سچا دکھ، درد عرض کریں اور وہاں مبالغہ نہ کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ جانتے ہیں۔

امام المجتہدین حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں:

وَاِذَا سَمِعْتُ فَعَنْکَ قَوْلًا طَیِّبًا وَاِذَا نَظَرْتُ فَمَا اَرٰی اِلَّاکَ

(قصیدۃ النعمان ص ۱۴)

جب میں کوئی بات سنتا ہوں (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو آپ کی ہی طرف سے کلام پاک سنائی دیتی ہے اور جب میں دیکھتا ہوں (ہر سو) تو سوائے آپ کے مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔

بحوالہ احادیث المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ تعالی عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْعَبْدُ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی وَذَھَبَ اَصْحَابُہٗ حَتّٰی اِنَّہٗ یَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ اَتَاہُ مَلَکَانِ فَاَقْعَدَاہُ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَاکُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَیَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنَّہٗ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ۔ (بخاری شریف ۔کتاب الجنائز ۔ باب المیت یسمع خفق النعال الکتاب الستۃ ص ۱۰۴ حدیث ۱۳۳۸۔ دارالسلام للنشر والتوزیع ۔الریاض سعودی عرب)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور (اس کو دفن کر کے) پیٹھ پھیر لی جاتی ہے اور اس کے ساتھی رخصت ہو جاتے ہیں۔ یہاں

تک کہ جوتوں کی آواز کو سنتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر اس سے کہتے ہیں کہ اس شخص محمد ﷺ کے متعلق تو کیا کہتا ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

اب واضح ہو روئے زمین پر ہر روز لاکھوں آدمی فوت ہوتے ہیں۔ ہر جگہ، ہر ملک میں ہر ایک مردہ کو زندہ کر کے منکر نکیر ایک ہی وقت میں لاکھوں مقامات پر اٹھا کر بٹھاتے ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ بھی لاکھوں جگہ ایک ہی وقت میں تمام قبور میں حاضر ہوتے ہیں۔ مبادا حضور ﷺ اگر ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں تو پھر ہر جگہ یہ جلوہ گری کیسی؟ ثابت ہوا کہ حجاب ہماری نگاہوں پر ہے۔ ملائکہ اس حجاب کو اٹھا دیتے ہیں جیسے کوئی آدمی خیمہ میں دن کو بیٹھا ہو اور آفتاب اس کی نگاہ سے غائب ہو کسی نے اس خیمہ کو اوپر سے ہٹا کر سورج دکھا دیا۔

اسی لئے صوفیائے کرام اور عشاق حضرات موت کی تمنا کرتے ہیں اور قبر کی پہلی رات کو اپنے محبوب ﷺ کے دیدار کی رات کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت بریلوی فرماتے ہیں۔

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارا تیرا

اور مولانا آسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
جس کے جویاں تھے ہے اس گل سے ملاقات کی رات

(۲) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ تعالی عنہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَخَذَ الرَّایَةَ زَیْدٌ فَاُصِیْبَ ثُمَّ اَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَاُصِیْبَ ثُمَّ اَخَذَهَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَاُصِیْبَ وَاِنَّ عَیْنَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَتَذْرِفَانِ ثُمَّ اَخَذَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِیْدِ مِنْ غَیْرِ اِمْرَةٍ فَفُتِحَ لَهٗ ۔ (بخاری شریف۔ ج۱ باب کتاب الجنائز ص۱۶۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زید نے علم لیا، وہ شہید ہو گئے، تو جعفر نے لے لیا، وہ شہید ہوئے، تو عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا سنبھالا، وہ بھی شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھیں ڈبڈبائی (آنسوؤں سے بھری) ہوئی تھیں پھر خالد بن ولید نے بغیر سرداری کے جھنڈا لیا تو ان کے ہاتھوں پر لڑائی کا میدان فتح ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنگ موتہ جو مدینہ شریف سے سینکڑوں میل کی مسافت پر برپا تھی وہاں جو کچھ ہو رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں بیٹھ کر نہ صرف اسے دیکھ رہے تھے بلکہ لحہ لحہ کی خبریں اپنے اصحاب کو ارشاد فرما رہے تھے۔ کتب سیر میں منقول ہے حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کچھ روز بعد جنگ موتہ کے حالات عرض کرنے کے لئے جب مدینہ منورہ حاضر خدمت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے یعلی! اگر تمہاری مرضی ہو تو تم وہاں کے حالات سے مجھے آگاہ کرو اور اگر تمہاری مرضی ہو تو میں تمہیں وہاں کے حالات سے مطلع کروں۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضور ہی فرمائیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے وہاں کے حالات سن کر میرے ایمان وایقان میں مزید اضافہ ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے مکمل حالات بیان کئے جسے سن کر حضرت یعلی نے عرض کی:

وَالَّذِی بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا تَرَكْتُ مِنْ حَدِیْثِهِمْ حَرْفًا وَّاحِدًا وَإِنَّ أَمْرَهُمْ لَكَمَا ذَكَرْتَ۔

اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپ نے ان کے حالات میں ایک حرف بھی رہنے نہیں دیا اور بعینہ اسی طرح واقعات ہوئے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے۔

(۳) عَنْ اَبِی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم نَعَی النَّجَاشِیَ فِی الْیَوْمِ الَّذِی مَاتَ فِیْهِ خَرَجَ اِلَی الْمُصَلّٰی فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ اَرْبَعًا۔ (بخاری شریف۔ باب کتاب الجنائز۔ باب الرجل ینعی الی اہل المیت بنفسہ حدیث ۱۲۴۵ ص ۷۷ الکتب الستۃ دار

السلام للنشر والتوزیع الریاض سعودی عرب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی وفات کی خبر اسی دن سنائی جس دن اس نے انتقال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصلی کی طرف تشریف لے گئے، لوگوں کی صف بندی کی اور چار تکبیریں کہیں۔

مقام غور ہے کہ کہاں ملک حبشہ اور کہاں ارض طیبہ۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کی ذات سے باخبر ہیں بلکہ اسی روز نماز جنازہ کا بھی اعادہ فرمایا کیونکہ ان کا انتقال دار الکفر میں ہوا تھا۔ اور وہاں ان پر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی تھی۔ یہی حدیث مبارکہ "صحیح ابن حبان" میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے کچھ ان الفاظ میں مروی ہے۔

"أَنَّ النَّبِيَّ قَالَ إِنَّ أَخَاكُمُ النَّجَاشِيَّ تُوُفِّيَ فَقُوْمُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَصَفُّوْا خَلْفَهٗ وَكَبَّرَ أَرْبَعًا وَهُمْ لَا يَظُنُّوْنَ إِلَّا أَنَّ جَنَازَتَهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ (صحیح ابن حبان)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا۔ اٹھو اس پر نماز پڑھو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے صحابہ نے پیچھے صفیں باندھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار تکبیریں کہیں۔ صحابہ کو یہی ظن تھا کہ ان کا جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہے۔

(۴) وعن انسٍ قال أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِوَجْهِهٖ فَقَالَ أَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَإِنِّيْ أَرٰكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ (رواہ البخاری) وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قَالَ أَتِمُّوا الصُّفُوْفَ فَإِنِّيْ أَرٰكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ۔ (مشکوۃ شریف۔ باب تسویۃ الصف ص ۹۷، ۹۸۔ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نماز کے لئے صفیں مرتب کی گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور قریب، قریب مل کر کھڑے ہو۔ تحقیق میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ (بخاری و مسلم میں ہے کہ صفوں کو

مکمل کرو میں تم کو پس پیش بھی دیکھتا ہوں)

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے دیکھنے میں کسی ایک جہت کی تخصیص نہیں بلکہ آپ جس طرف چاہیں دیکھ سکتے ہیں۔

(۵) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلٰی قَتْلٰی اُحُدٍ بَعْدَ ثَمَانِ سِنِیْنَ کَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْیَاءِ وَالْاَمْوَاتِ ثُمَّ طَلَعَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ اِنِّیْ بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ فَرَطٌ وَاَنَا عَلَیْکُمْ شَھِیْدٌ وَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْحَوْضُ وَاِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَیْہِ وَاَنَا فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا وَاِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ۔ (مشکوۃ شریف۔باب وفاۃ النبی ﷺ ص ۵۴۷۔قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ سال کے بعد شہیدان احد پر نماز جنازہ پڑھی۔جیسے زندوں اور مردوں کو رخصت فرمار ہے ہیں۔پھر منبر پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا میں بندوبست کرنے کے لئے تم سے پہلے تمہارے اوپر گواہ ہوں اور تمہارے ملنے کی جگہ حوض کوثر ہے اور میں اسے دیکھ رہا ہوں حالانکہ اس جگہ میں ہوں اور تحقیق مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

واضح ہو نبی اکرم ﷺ مسجد نبوی میں اپنے ممبر پر جلوہ افروز ہیں لیکن روز حشر اپنے اصحاب کو حوض کوثر پر ملاحظہ فرمار ہے ہیں تو جو محبوب ﷺ حیات ظاہری میں روز حشر اور حوض کوثر پر دیکھ سکتے ہیں وہ کسی بھی زمانہ میں اپنے غلاموں کے حالات سے کیسے بے خبر رہ سکتے ہیں۔بلکہ ہمارا تو عقیدہ یہ ہے کہ ماضی، حال، مستقبل کوئی بھی زمانہ سرکار دو عالم ﷺ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔

حدیث پاک میں ہے: اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۴۰) مومن کی فراست سے ڈرتے رہو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔جب ایک امتی کی نگاہ میں یہ کمال ہو سکتا ہے تو نبی کی نگاہ کا مقام کیا ہوگا۔قطب العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

☆عام مومنوں کے مقام کی انتہاء ولیوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

☆اور ولیوں کے مقام کی انتہا شہیدوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

☆شہیدوں کے مقام کی انتہا صدیقوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

☆صدیقوں کے مقام کی انتہا نبیوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

☆نبیوں کے مقام کی انتہا رسولوں کے مقام کی ابتداء ہے۔

☆رسولوں کے مقام کی انتہاء اولوالعزم کے مقام کی ابتداء ہے۔

☆اولوالعزم کے مقام کی انتہاء حبیب خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام کی ابتداء ہے۔

☆اور حبیب خدا ﷺ کے مقام کی انتہاء اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔

(۶) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً فَزِعًا يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا اُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ ۔ رواہ البخاری ۔ (مشکوۃ شریف۔ باب التحریض علی قیام اللیل ص ۱۰۹ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک شب رسول اللہ ﷺ گھبراتے ہوئے اٹھے اور یہ فرما رہے تھے پاک ہے وہ ذات جس نے آج کی شب کتنے بھلائی کے خزانے نازل فرمائے ہیں اور کتنے فتنے اترتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے تمام فتنوں کی حضور ﷺ پہلے ہی بچشم ملاحظہ فرما رہے تھے۔

(۷) عن ابی الدرداء قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَشَخَصَ بِبَصَرِهٖ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ قَالَ هٰذَا اَوَانُ يُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰى لَا يَقْدِرُوْا مِنْهُ عَلٰى شَيْءٍ ۔ (ترمذی شریف۔ ج ۲ باب العلم ص ۹۰ ۔ وزارت تعلیم اسلام آباد)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا پھر فرمایا: یہ وہ وقت ہے کہ جس کے بعد لوگوں سے علم چھین لیا جائے گا۔

یہاں تک کہ وہ اس میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے۔

اس حدیث کی شرح ملا علی قاری ''مرقاۃ'' کتاب العلم میں فرماتے ہیں:

فَکَاَنَّہٗ علیہ السلام لَمَّا نظر اِلَی السَّمَآءِ کُوْشِفَ بِاِقْتِرَابِ اَجَلِہٖ فَاَخْبَرَ بِذٰلِكَ۔ یعنی حضور ﷺ نے جب آسمان کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ پر آپ کے انتقال کا قریب ظاہر ہو گیا اور اس کی خبر دے دی۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میری چشم عالم سے چھپ جانے والے

(۸) وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ قَالَ اَشْرَفَ النَّبِیُّ ﷺ عَلٰی اُطُمٍ مِنْ اٰطَامِ الْمَدِیْنَةِ فَقَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا اَرٰی قَالُوْا لَا قَالَ فَاِنِّیْ لَاَرَی الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُیُوْتِکُمْ کَوَقْعِ الْمَطَرِ۔ متفق علیہ۔ (مشکوۃ شریف۔ ج ۳۔ کتاب الفتن۔ ص ۴۶۲ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر چڑھے اور فرمایا: کیا تم بھی دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں؟ لوگ عرض گزار ہوئے نہیں! فرمایا کہ میں فتنوں کو تمہارے گھروں میں بارش کی طرح گرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

معلوم ہوا کہ یزیدی اور حجازی فتنے جو ایک عرصہ کے بعد ہونے والے تھے آپ ﷺ انہیں پہلے ہی بچشم ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ اور مندرجہ بالا احادیث اس چیز پر واضح دلیل ہیں کہ حضور ﷺ کی چشم حق بین سے دور و نزدیک کے حالات، حوض کوثر اور جنت و دوزخ حتی کہ کوئی چیز بھی پنہاں نہیں ہے۔

(۹) اَنَا اَوْلٰی بِکُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِہٖ مَنْ تَرَكَ دَیْنًا فَعَلَیَّ۔ (نسائی شریف۔ ج ۱۔ الکتب الستہ۔ حدیث ۱۰۷۰۔ ص ۱۷۵۴)

میں زیادہ قریب ہوں ہر مومن کے ساتھ اس کی جان سے جس نے چھوڑا قرضے کو تو مجھ پر لازم ہے (اس کا ادا کرنا)

اس حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے مسئلہ حاضر و ناظر حل فرمادیا کہ میں ہر مومن کی جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ واضح ہو یہاں کسی ایک مومن کا ذکر نہیں بلکل مؤمن کا فرمان ہے۔

(۱۰) اَنَّ اَبا ھریرۃ قال سمعتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ رَاٰنِی فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِی فِی الْیَقْظَۃِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے حالت بیداری میں بھی دیکھے گا۔ اور شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔ (بخاری شریف۔ کتاب التعبیر باب من رأی فی المنام ص ۵۸۴ حدیث ۶۹۹۳ الکتب الستۃ)

معلوم ہوا سرکار دو عالم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے واسطے قید زمانی یا مکانی نہیں ہے۔
اسی طرح متبرکہ مقامات پر بھی آپ ﷺ کے ظہور اور ملاقات وسلام کا ارشاد خاص ہے۔

(۱۱) عَنْ اَبِی حُمَیْدٍ السَّاعِدِیِّ قال قال رسولُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیُسَلِّمْ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ ثُمَّ لِیَقُلِ اللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ۔ (سنن ابن ماجہ، ج ا باب الدعاء عند دخول المسجد۔ ص ۱۳۲ ادارا الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو پہلے نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجے اور پھر اللھم افتح لی ابواب رحمتك کہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دنیا کی ہر مسجد میں داخل ہونے سے پہلے السلام علیك یارسول اللہ ﷺ کہنا چاہیے حتی کہ مسجد میں داخل ہونے کی دعا سے بھی پہلے۔ مقام غور ہے اگر حضور ﷺ حاضر و ناظر نہیں تو یہ ہدیہ سلام عرض کرنے کا کیونکر ارشاد ہے۔

(۱۲) وَاَتٰی اَبُوْ بَکْرٍ بِکُلِّ مَا عِنْدَہٗ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِکَ قَالَ اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ (ابوداؤد شریف۔ کتاب الزکوۃ۔ باب الرخصۃ فی ذلک۔ ص ۱۳۴۸۔ حدیث ۱۶۷۸) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا تمام مال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوبکر! تو نے اپنے اہل کے واسطے کیا چھوڑا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں ان کے واسطے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔

واضح ہو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر مقام پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھتے تھے ورنہ آپ یہ نہ فرماتے کہ میں اپنے گھر میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس عقیدے کو صحیح ہونے کی بناء پر نہ روکا۔ ورنہ آپ فرما دیتے کہ اے ابو بکر! میں تمہارے سامنے یہاں بیٹھا ہوں اور تم کہتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو گھر چھوڑ آیا ہوں۔ تمہارا یہ عقیدہ درست نہیں جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا تو حاضر و ناظر جاننے والوں کو اور کوئی کیسے منع کر سکتا ہے۔

(۱۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز میں تشہد کے وقت ان کلمات کو پڑھنے کا حکم ارشاد فرمایا:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔ (ابوداؤد شریف۔ باب کتاب الصلوۃ۔ ص ۳۷۴۔ دار الکتب العربی بیروت لبنان)

تمام زبانی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یُعَلِّمُنَا التَّشَھُّدَ کَمَا یُعَلِّمُنَا الْقُرْاٰنَ۔ (ابوداؤد شریف۔ ج ۱ ص ۳۷۴۔ دار الکتب العربی بیروت لبنان)

رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی طرح ہمیں تشہد سکھایا۔

معلوم ہوا کلمات تشہد میں حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے پر واضح دلیل ہے۔ اسی مطابقت کی وجہ سے ان کلمات کا نام تشہد رکھا گیا اور حقیقت یہ ہے کہ جب نبی ﷺ اللہ رب العزت کے روبرو حاضر ہوئے۔ تو یہ کلمات آپ کی حضوری کے اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمائے اور وہی کلمات آپ کی حضوری والے آپ نے اپنی امت کو ارشاد فرمائے۔ جب نمازی تشہد کے وقت بیٹھتا ہے تو اس کی حالت کچھ اور ہوتی ہے۔ یعنی باوضو ہونا، قبلہ رو ناہونا، نماز میں مشغول ہونا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر مؤدبانہ انداز سے کہے کہ اے نبی ﷺ! آپ کی ذات پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ اب نمازی کا اس نماز کی حالت میں ہر وقت کی تبدیلی پر یعنی ہر نماز میں اور ہر دو رکعت کے بعد سرکار دو عالم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور سلام ندائیہ کہنا پڑتا ہے۔ سلام سے فارغ ہونے کے بعد اس عقیدہ سے متنفر ہونا یہ عین نفاق کی دلیل ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارکہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے سارے موجودات اور کائنات میں حاضر و شاہد اور موجود و حاضر ہے۔ اس لئے نماز پڑھنے والے نمازی کی ذات کے پاس بھی حاضر و شاہد ہے اور سلام کو بصیغہ خطاب لانا حقیقت میں حضور پرنور ﷺ کے شاہد و مشہود اور حاضر و موجود ہونے کے اعتبار سے ہے۔ (تکمیل الحسنات مترجم ص ۷)

(۱۴) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دور میں ایک دفعہ سورج کو گہن لگا تو حضور اکرم ﷺ نے نماز کسوف اپنے اصحاب کو پڑھائی۔ بحالت نماز سرکار دو عالم ﷺ نے ہاتھ اٹھایا جیسے کچھ لینا چاہتے ہیں۔ نماز کے بعد صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ نماز میں یہ جنبش کیسی تھی؟ حدیث کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں۔

قَالُوا یَارَسُولَ اللّٰہِ ﷺ رَأَیْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَیْئًا فِی مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَیْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّی رَأَیْتُ الْجَنَّةَ وَتَنَاوَلْتُ عُنْقُوْدًا اَوْلَوْاَصَبْتُهُ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَابَقِیَتِ الدُّنْیَا۔ (بخاری

شریف۔ج ۱، باب الکسوف۔ص ۱۴۴/۱۴۳ ۔ادارہ البحوث الاسلامیہ اسلام آباد)

لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم نے دیکھا کہ آپ اپنی جگہ سے کوئی چیز لے رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں نے جنت کو دیکھا تو اس میں سے ایک خوشہ لینا چاہا اگر میں اسے لے لیتا تو تم اس سے اس وقت تک کھاتے جب تک دنیا قائم ہے۔ معلوم ہوا لوگوں کا علم بالغیب قائم رکھنے کے لئے حضور ﷺ نے وہ خوشہ چھوڑ دیا ورنہ اگر توڑ لیتے تو لوگ تا قیامت اس سے کھاتے رہتے۔

مقام غور ہے سرکار دو عالم ﷺ کھڑے مدینہ شریف میں ہیں لیکن ہاتھ اٹھایا تو جنت میں پہنچا۔ جسم پاک مدینہ شریف میں ہے لیکن دست انور جنت الفردوس کے باغ میں ایک خوشہ پر۔ قربان جائیں اس نگاہ پاک پر کہ آپ ﷺ عین حالت نماز میں جنت و دوزخ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ کا دست مبارک بھی کیا معجزہ نما نائب دست قدرت ہے کہ باغ جنت کی شاخوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے ایسے ماذون و مختار کہ چاہتے تو جنت کا خوشہ ہی توڑ لیتے۔ اسی لئے تو ایک دانائے راز نے فرمایا ہے:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

(۱۵) عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاِنِّی اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَاھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّی ھٰذِہٖ۔ رواہ الطبرانی۔ (مواہب لدنیہ مع شرح زرقانی۔ج ۷ ص ۲۰۴)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا میرے سامنے کر دی ہے۔ لہذا میں ساری دنیا کو اور جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کا سب یوں دیکھ رہا ہوں جیسے اس ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

اس حدیث پاک سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔

☆ ایک یہ کہ سرکار دو عالم حبیب مکرم ﷺ ساری دنیا کے ناظر ہیں۔

☆ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے حبیب ﷺ سے دوریاں اٹھادی ہیں۔ اور ساری دنیا آپ ﷺ کے قریب کردی ہے۔ لہذا رحمۃ اللعالمین ﷺ ساری دنیا کے لئے حاضر ہیں آپ ﷺ کے قریب جیسے عرب ویسے عجم، جیسے زمین ویسے ہی آسمان، جیسے فرش ویسے ہی عرش، جیسے ملک ویسے ہی ملکوت ہے۔ بلکہ حضور ﷺ کے طفیل آپ ﷺ کے غلاموں کو بھی خدائے قدوس یہ قدرت وعلم عطا فرماتا ہے اور ان سے بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔

عشق کی ایک جست نے کردیا قصہ تمام
اس زمین وآسماں کو بے کراں سمجھا تھامیں

(۱۶) وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بَعَثَ جَیْشًا وَاَمَّرَ عَلَیْھِمْ رَجُلًا یُدْعٰی سَارِیَةَ فَبَیْنَمَا عُمَرُ یَخْطُبُ فَجَعَلَ یَصِیْحُ یَا سَارِیَ الْجَبَلَ فَقَدِمَ رَسُوْلٌ مِنَ الْجَیْشِ فَقَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَقِیْنَا عَدُوَّنَا فَھَزَمُوْنَا فَاِذَا بِصَائِحٍ یَصِیْحُ یَا سَارِیَ الْجَبَلَ فَاَسْنَدْنَا ظُھُوْرَنَا اِلَی الْجَبَلِ فَھَزَمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی - رواہ البیھقی فی دلائل النبوۃ - (مشکوۃ شریف - باب الکرامات ص ۵۴۶ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ایک شخص کو امیر مقرر فرمایا جن کو حضرت ساریہ کہا جاتا تھا۔ حضرت عمر خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے آوازی دی اے ساریہ! پہاڑ۔ پس لشکر کا قاصد آیا اور کہا اے امیر المؤمنین! جب دشمن سے ہماری ٹکر ہوئی تو ہمیں شکست ہونے والی تھی کہ ایک آواز آئی اے ساریہ! پہاڑ! پس ہم نے اپنی پیٹھیں پہاڑ سے لگالیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دی۔

(۱۷) فقہ اکبر از امام اعظم ابوحنیفہ کی شرح ''الدرالازہر'' میں اور خاتمۃ المحدثین علامہ جلال

الدین سیوطی نے ''جامع کبیر'' میں حضرت حارث ابن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک بار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا: اے حارث! تم نے کس حال میں دن پایا؟ میں نے عرض کیا سچا مومن ہو کر پھر فرمایا: تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ میں نے عرض کیا:

وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى عَرْشِ رَبِّي بَارِزًا وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيهَا وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَهْلِ النَّارِ يَتَضَاغُوْنَ فِيهَا۔ یعنی میں گویا عرش الٰہی کو ظاہر اد یکھ رہا ہوں۔ اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے دیکھتا ہوں۔

اسی واقعہ کو مثنوی شریف میں مست بادہ قیوم حضرت مولانا روم قدس اللہ تعالی روحہ کچھ اس انداز سے بیان فرماتے ہیں۔

ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من ہست پیدا ہم چوں بت ایں پیش ہن
یک بیک دامی شناسم خلق را ہمچو گندم من ز جو در آسیا
کہ بہشتی کہ وزیگانہ کی است پیش من پیدا جو مور و ماہی است
من بگویم یا فرد بندم نفس لب گزیدش مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی کہ بس

(میرے سامنے آٹھ بہشت اور سات دوزخ ایسے ظاہر ہیں۔ جیسے ہندو کے سامنے بت ہیں ہر ایک مخلوق کو ایسا پہچانتا ہوں جیسے چکی میں جو اور گیہوں۔ کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون؟ میرے سامنے یہ سب مچھلی اور چیونٹی کی طرح ہیں۔ چپ رہوں یا کچھ اور عرض کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا منہ پکڑ لیا اور فرمایا: بس)

سبحان اللہ جب اس آفتاب کے ذروں کی نظر کا یہ حال ہے کہ جنت و دوزخ، عرش و فرش، جنتی و دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس آفتاب کونین کی نظر کا کیا پوچھنا ہے۔

یہ شان ہے خدمت گاروں کی سلطان کا عالم کیا ہوگا

حاضروناظر کے بارے میں اکابرین امت کے ارشادات

(۱) علامہ امام شہاب الدین رملی :۔ (کے فتاوی میں ہے)

امام رملی کی خدمت میں یہ سوال ہوا کہ عام لوگ سختیوں کے وقت انبیاء مرسلین اور اولیاء وصالحین سے فریاد کرتے ہیں اوران کو مدد کے لئے پکارتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اوراولیاء کرام انتقال کے بعد بھی مدد فرماتے ہیں یا نہیں؟

توانہوں نے جواب دیا کہ بے شک انبیاء ومرسلین اوراولیاء وعلماء سے مدد مانگنا جائز ہے اور وہ اپنے انتقال کے بعد بھی امداد فرماتے ہیں۔

(۲) حضور غوث الثقلین سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ:

آپ فرماتے ہیں جو کسی تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے گا اس کی تکلیف رفع ہوجائے گی اور جو کسی حاجت میں اللہ تعالی کی طرف مجھ سے توسل کرے تو اس کی حاجت پوری ہوجائے گی۔ (بہجۃ الاسرار، ملاعلی قاری، زبدۃ الآثار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی) (امام الشطنوفی، خلاصۃ المفاخر، امام یافعی، نزہۃ الخاطر الفاطر)

اگر اولیاء کرام فریاد رسی کرسکتے ہیں تو امام الانبیاء، وجہ تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بدرجہ اولی امداد اور فریادرسی فرماسکتے ہیں۔ (فافہم فتدبر)

(۳) امام شرف الدین بوصیری کا ارشاد گرامی:

یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ سواک عند حلول الحادث العمم

ولن یضیق رسول اللہ جاھک بی اذا الکریم تجلی باسم منتقم

اے بزرگ ترین ذات اقدس! آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے کہ عظیم اور عام حادثہ کے نازل ہونے کے وقت میں جس کی پناہ میں آؤ اور ہرگز تنگ دامن اور محدود نہ ہوگا۔ آپ کا مرتبہ اور قدر ومنزلت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبب میری شفاعت کے اس وقت کے خداوند کریم بصفت منتقم جلوہ فرما ہوگا۔ بہ ترجمہ مولوی اشبیر احمد عثمانی، مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی انور کشمیری کے

استاد مولوی محمود الحسن کے والد مولوی ذوالفقار علی صاحب کا ہے۔

(۴) شیخ بہاؤالحق، شیخ محقق کا فرمان:

(۵) مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی

جب جنوں کو اللہ کی دی ہوئی طاقت سے اس قدر قدرت حاصل ہوتی ہے کہ مختلف شکلوں میں تبدیل ہو کر انوکھے کام سرانجام دیتے ہیں۔ تو اگر اللہ ولیوں کی روحوں کو یہ طاقت عطا فرمائے تو یہ تعجب کی کونسی بات ہے۔ (مکتوبات، ج ۲)

(۶) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی:۔

آپ اپنی کتاب (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ) میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب آدمی سلام پھیرے تو اورادفتحیہ پڑھے۔ کیونکہ وہ چودہ سو اولیاء کے کلام سے تیار ہوا ہے۔ اورادفتحیہ میں ص ۳۲ سے لے کر ۳۴ تک ۷۰ بار یا رسول اللہ لکھا ہے۔ (انتباہ ص ۱۲۴)

ان حضرات کے اکابرین کی نظر میں عقیدہ حاضر و ناظر جو اس کے ماننے والوں کو کافر و مشرک کہتے ہیں۔

(۱) بانی مدرسہ دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی:۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اپنی دو تصانیف ''آب حیات'' اور ''تحذیر الناس'' میں حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا قرآنی آیت سے ثابت مانا ہے۔ لکھتے ہیں:

ارشاد خداوندی ہے: النبی أولی بالمؤمنین من أنفسهم۔ یہاں أولی بمعنی أقرب زیادہ قریب ہونا ہے۔ یعنی نبی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ یعنی ان کی جانیں ان سے اتنی قریب نہیں جتنا نبی ان سے قریب ہے۔ اس قرب کی وضاحت کے لئے ایک اور تحریر پڑھئے:

(۲) مہتمم مدرسہ دیوبند قاری محمد طیب صاحب:

قاری محمد طیب صاحب ''آفتاب نبوت'' ص ۲۰۴، ۲۰۵ پر رقم طراز ہیں۔

ہم اور تم مومن کہلاتے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ اس آفتاب ایمان (سراج منیر) کی ایمانی دھوپ ہم پر پڑی ہوئی ہے تو ہم مومن کہلانے لگے۔ اور آفتاب نبوت ہم سے کنارہ کر لے تو ہم مومن نہیں کہلائیں گے۔ ہمارے مومن ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہم آفتاب نبوت کی ایمانی دھوپ اپنے اوپر اور اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ مومن ہونے کی حیثیت سے ہم خود اپنے سے قریب نہیں جتنے حضور اکرم ﷺ ہم سے قریب ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے اشارہ فرمایا: النبی أولی بالمؤمنین من أنفسھم۔

(۳) قاضی زاہد الحسینی:

قاضی صاحب رحمت کائنات ص ۱۹۸ پر لکھتے ہیں:

نبی مسافت اور مکان وزمان کی حدود وقیود سے گزر کر اپنی آنکھ اور کان سے وہ سب کچھ دیکھ سکتا ہے اور سن سکتا ہے۔ جو دوسرے لوگ تہ بہ تہ حجابات نظر وسمع کی وجہ سے دیکھ اور سن نہیں سکتے۔

(۴) مشہور مفسر شبیر احمد عثمانی:

فتح الملہم شرح صحیح مسلم ص نمبر 93 ج 2 میں علامہ عثمانی لکھتے ہیں:

دربار خداوندی جو ہر جگہ ہے اس میں حبیب خدا ﷺ ہر وقت حاضر وجلوہ گر ہے۔ اس لئے نمازیوں کو حکم ہے کہ جب وہ دربار خداوندی میں بحالت نماز حاضر ہوں تو اس میں حضور کو حاضر اور موجود جان کر السلام علیك أیھا النبی کہیں۔

(۵) نواب صدیق حسن اور علامہ عبدالحی لکھنوی:

مسک الختام شرح بلوغ المرام میں نواب صدیق حسن۔ اور سعایہ میں ص ۲۲۷، ۲۲۸ ج ۳ میں علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

التحیات میں ایھا النبی کہنے کا راز یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ تمام موجودات کے ذرات اور افراد ممکنات میں جاری وساری ہے۔



قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (القرآن)

أَیُّکُمْ مِثْلِیْ (الحدیث)



رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل بشریت



تیرا مسند ناز ہے عرش بریں، تیرا محرم راز ہے روح امیں

توہی سرور ہر دو جہاں ہے شہا، تیرا مثل نہیں ہے خدا کی قسم!

رسول اکرم ﷺ کی بے مثل بشریت

قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد باری تعالی ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔(پ۱۶ع۳) اے محبوب فرما دیجئے کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں۔

یہ آیت مبارکہ اپنے اندر اسرار و رموز اور حقائق و معارف کا ایک بحر بے کنار لئے ہوئے ہے۔

پہلے چند غور طلب پہلوؤں پر اظہار خیال کرنا لازمی ہے۔

ایک یہ کہ فرمایا گیا ہے قل: اے پیارے حبیب ﷺ! آپ فرما دیجئے تو یہ کلمہ فرمانے کی صرف حضور ﷺ کو اجازت ہے کہ آپ بطور انکسار و تواضع فرما دیں۔

یہ نہیں فرمایا گیا کہ قولوا انما ھو بشر مثلنا یعنی اے لوگو! تم کہا کرو کہ نبی علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں بلکہ قل میں اس جانب اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات آپ ﷺ فرما دیں نہ ہم فرمائیں گے اور نہ ہی کسی کو کہنے کی اجازت دیں گے ہم تو جب بھی آپ کا تذکرہ کریں گے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۔(پ۶ع۷)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک عالیشان نور آیا۔ مفسرین کرام اس آیہ مقدسہ کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں قد جاء بے شک تشریف لایا، کلمہ قد سے آقا علیہ السلام کی تشریف آوری کو مؤکد کیا تاکہ شک نہ رہے۔ تشریف لانا بتاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پہلے تھے پھر تشریف لائے جیسا کہ حدیث میں ہے:

كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ (ترمذی شریف، مشکوۃ شریف ص ۵۱۳ فضائل سید المرسلین قدیمی کتب خانہ کراچی) یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ کم ضمیر مخاطب یعنی تمہارے ہر ایک کے پاس تشریف لایا۔ من اللہ اللہ تعالی کی طرف سے نور مصدر ہے اور مصدر کا معنی ہے جائے صدور یعنی نکلنے کی جگہ، نور پر تنوین ہے اور التنوین للتعظیم۔ تنوین تعظیم کے لئے بھی آتی ہے یعنی آپ ﷺ تمام نوروں کا منبع اور ساری

خدائی کے سلطان ہیں۔

ہم تو فرمائیں گے: یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ (اے غیب کی خبریں بتانے والے نبی) یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ (اے بھیجے ہوئے رسول) یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ (اے چادر اوڑھنے والے!) یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ (اے بالا پوش اوڑھنے والے) حالانکہ دیگر انبیاء کرام کو ان کے ناموں سے پکارا۔ قرآن کریم شاہد ہے۔

قَالَ یٰاٰدَمُ اَنْبِئْھُمْ بِاَسْمَآءِھِمْ ۔ (پ ۱ ع ۴)

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِكَ ۔ (پ ۱۲ ع ۴)

وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰاِبْرٰھِیْمُ ۔ (پ ۲۳ ع ۷)

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ ۔ (پ ۱ ع ۶)

مگر اپنے حبیب ﷺ کو کیسے پیارے پیارے القاب سے یاد فرمایا۔

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب   یا ایہا النبی خطاب محمد است

واضح ہو انبیاء علیہم السلام نے اپنے آپ کو ظالم، ضال، خطا وار وغیرہ فرمایا ہے مگر ہم یہ الفاظ ان کی شان میں بولیں تو کافر ہو جائیں۔

مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی قل انما انا بشر مثلکم کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

حضور ﷺ آئینہ جمال کبریاء ہیں اور آئینہ میں تب ہی پورا عکس آتا ہے جبکہ اس کی ایک جانب شفاف ہو اور دوسری جانب مسالہ ہو۔ حضور ﷺ ایک طرف نور ہیں دوسری طرف آپ پر بشریت کا غلاف ہے تاکہ مکمل آئینہ ہوں۔ یہاں بشریت والی جانب کا ذکر ہے اور قد جاءکم من اللہ نور میں دوسری جانب کا۔ قل فرما کر اشارۃً بتایا گیا کہ اپنے آپ کو تواضعاً بشر صرف آپ ﷺ ہی کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے کو یہ کہہ کر پکارنے کی اجازت نہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ ـــــ الخ بادشاہ اپنی رعایا سے کہے کہ میں تمہارا خادم ہوں تو یہ اس کا کمال ہے مگر دوسرا کہے تو سزا پائے گا۔ (تفسیر نور العرفان ص ۴۸۵)

گویا بادشاہ کی یہ اعلیٰ ظرفی ہے اور رعایا کی کم ظرفی حضرت قبلہ شاہ نیاز احمد بریلوی فرماتے ہیں:

چہ وسعت دادہ یارب بظرف آں عظیم الشان
کہ انی عبدہ گوید بجائے قول سبحانی

صاحب ''رشد الایمان'' اس آیہ مبارکہ کی تشریح وتفسیر کیا احسن انداز میں فرماتے ہیں:

اہل شریعت:

فرماتے ہیں کہ انا بشر مثلکم محض تواضعا فرمایا گیا ہے۔ جیسے ایک استاد (بلاتشبیہ) اپنے شاگرد کو سند فراغت ودستار فضیلت مرحمت فرما کر حکم فرمائے کہ دیکھو اپنے عالم وفاضل ہونے کا دعوی نہ کرنا اب وہ شاگرد وعظ کرنے کھڑا ہو اور کہے میں کوئی عالم وفاضل تو نہیں محض ایک طالب علم ہوں تو کیا ایسا تواضعا کہنے سے وہ فہرست علماء سے خارج کر دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔

اہل طریقت:

فرماتے ہیں کہ مثلکم کی ضمیر تمام جہان والوں کی طرف ہے جو ہو چکے اور جو ہونے والے ہیں تو مثلکم میں یہ ارشارہ فرمایا کہ تم سب کی بشریت ایک طرف اور مجھ اکیلے کی بشریت ایک طرف اور یہ بھی تواضعا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو ایک امتی مرد کے برابر تولا گیا تو آپ ﷺ بھاری نکلے۔ پھر فرشتے نے دس مردوں کو آپ ﷺ کے برابر تولا تو پھر بھی حضور ﷺ بھاری نکلے۔ اسی طرح سو اور ہزار کے مقابلے میں حضور اکرم ﷺ کا وزن بھاری ہوا۔ دوسرے فرشتے نے وزن کرنے والے فرشتے سے کہا: چھوڑیئے: اگر حضور اکرم ﷺ کو ساری امت سے وزن کیا جائے تب بھی آپ ﷺ ان پر بھاری ہوں گے اور آپ ﷺ کا پلہ بھاری ہی رہے گا۔ (مشکوۃ شریف)

اہل معرفت:

فرماتے ہیں: بشریت کا معنی ظاہری جسم ہے یعنی میرا ظاہری جسم اطہر روحانیت کی طرح ہے۔

اہل حقیقت:

اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے اور فرماتے ہیں:

قل انما انا بس جملہ ختم ہوگیا۔ (ارے میں ہی ہوں) میرے سوا کیا ہے؟ میری ہی خوبی ہے ساری کائنات میں انما انا، بات انا پر ختم ہوجاتی ہے۔ بشر مثلکم علیحدہ جملہ ہے: بقول عارف روم: جز محمد ﷺ نیست در ارض و سما

"حضور اکرم ﷺ کے سوا زمین و آسمان میں کچھ بھی نہیں"۔

اہل نکات اور ارباب بصیرت کے توجہ طلب مباحث:

(۱) اہل نکات فرماتے ہیں کہ یہاں انما سے پہلے ہمزہ استفہام انکاری محذوف ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یعنی فرمادیجئے: کیا میں تمہاری مثل بشر ہوں؟ ہرگز نہیں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارے کو دیکھا تو قوم سے مناظرانہ انداز میں فرمایا: ھذا ربی۔ کیا یہ میرا رب ہے؟ (ہرگز نہیں) یہاں بھی ہمزہ استفہام انکاری محذوف ہے۔ جو کہ نکالنا ضروری ہے اگر نہ نکالا جائے تو معنی الٹ ہوجائے اسی طرح یہاں بھی معنی ہوگا فرمادو: پیارے حبیب ﷺ! کیا میں تمہاری مثل بشر ہوں؟ یوحی الی۔ ارے مجھ پر تو وحی نازل ہوتی ہے۔

(۲) حضور ﷺ کو لباس بشری میں اس لئے مبعوث فرمادیا گیا تا کہ انسان کھل کر آپ کے فیوضات و برکات سے مستفیض ہوسکیں۔ اور یہ اللہ کریم کا خاص فضل و کرم ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ کو لباس بشری میں کیوں مبعوث فرمایا گیا۔ اس کا جواب اللہ تعالی اپنی لاریب کتاب میں خود ارشاد فرماتا ہیں۔

لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ---(پ۱۵ع۱۱)

اگر زمین پر فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی (آسمان سے) فرشتہ اتارتے۔ مطلب واضح ہے کہ انسانوں کے پاس ان کا ہم جنس رسول بنا کر بھیجا تا کہ اس سے مانوس ہوجائیں۔ تعلیم و فیض حاصل کرسکیں۔ تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی حقیقت بشر نہیں۔ بشر کی طرف تشریف لانے کی وجہ سے لباس بشر میں تشریف لائے۔

(۳) بشر مثلکم پر آیت مذکورہ ختم نہیں ہوتی بلکہ آگے آرہا ہے یوحی الی یعنی مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ یوحی الی کی قید ایسی ہے جیسے ہم کہیں کہ زید دیگر حیوانات کی طرح ہے مگر ناطق ہے تو ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق پیدا کر دیا کہ اس قید سے زید تو اشرف المخلوقات انسان ہوا اور دوسرے حیوانات اور شے۔

اسی طرح وحی کی صفت نے نبی اور امتی میں بڑا فرق بتا دیا۔ حیوان اور انسان میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے۔ مگر بشریت اور شان مصطفیٰ ﷺ میں 27 درجے فرق ہے۔ نمونہ کے لئے فقط چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اولا بشر، پھر شہید، پھر متقی، پھر ولی، پھر ابدال، پھر اوتاد، پھر قطب، پھر غوث، پھر غوث الاعظم، پھر تابعی، پھر صحابی، پھر مہاجر، پھر صدیق، پھر نبی، پھر رحمۃ اللعالمین وغیرہ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب شان حبیب الرحمٰن از مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی علیہ السلام)

تو عام بشر اور مصطفیٰ کریم ﷺ میں شرکت کیسی؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے۔ یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرح موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرح سمیع ہے اور بصیر ہے۔ کیونکہ کلمہ موجود و علیم ہر جگہ بولا جاتا ہے۔ جس طرح ہماری موجودیت اور حق سبحانہ تعالیٰ کی موجودیت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایسے ہی ہماری اور محبوب پروردگار ﷺ کی بشریت میں کوئی نسبت نہیں۔

(۴) جو لوگ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ بشر ہیں اور ہر وقت انما انا بشر مثلکم کی رٹ لگاتے پھرتے ہیں ان پر واضح ہو کہ سب سے پہلے بشر سیدنا آدم صفی اللہ ہیں جبکہ فرمان باری تعالیٰ سے ثابت ہے۔

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۔ (پ ۲۳ ع ۱۴) کہ میں مٹی سے انسان بناؤں گا۔ اور حضور ﷺ نے اپنے متعلق فرمایا۔

کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ (ترمذی شریف۔ ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب المناقب باب فضل النبی ﷺ، کنز العمال، ۳۱۹۱۷)

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ لَمُنْجَدِلٌ فِي الطِّيْنِ۔

میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی جارہی تھی۔

اندازہ لگائیں جو ذات اقدس سب سے پہلے بشر یعنی ابوالبشر سے بھی پہلے موجود ہو اس مقدس و مطہر ہستی کو بشر کہنا یا ماننا کس طرح صحیح ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لباس بشریت میں آئے تاکہ بشر کو ذات باری تعالیٰ کی معرفت و تعلیم سے نوازیں۔

(۵) آیت مذکورہ میں ہے۔ بشر مثلکم یہ نہیں کہ انسان مثلکم۔ بشر کے معنی میں ذو بشرۃ یعنی ظاہری چہرے مہرہ والا۔ بشرہ کہتے ہیں ظاہر کھال کو تو معنی یہ ہوا کہ میں ظاہر رنگ و روپ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں کہ اعضائے بدن دیکھنے میں یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یوحی الی ہم صاحب وحی ہیں۔ یہ گفتگو بھی فقط ظاہری طور پر ہے۔ ورنہ ہمارے ظاہری اعضاء کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے مبارکہ سے کوئی نسبت نہیں۔ قدرت الٰہی تو دیکھو کہ منہ کا لعاب شریف کھاری کنویں میں پڑے تو پانی کو میٹھا کردے، حدیبیہ کے خشک کنویں میں پڑے تو پانی پیدا کردے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہانڈی میں پڑ کر شوربہ اور بوٹیاں بڑھادے، آٹے میں پڑے تو اسے برکت دے۔ صدیق اکبر کے پاؤں میں پہنچ کر سانپ کے زہر کو دفع کردے۔ عبداللہ ابن عتیق کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں پہنچ کر ہڈی کو جوڑ دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھ میں لگے تو کحل الجواہر کا کام دے۔ آج ہزار ہا روپے کی دوا بھی اس قدر اثر نہیں رکھتی۔ اگر سر انور کے موئے مبارک سے لیکر قدم اقدس تک ہر عضو شریف کی برکات کا اندازہ کریں تو حیرت گم ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہر عضو کا سایہ جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عضو شریف کا سایہ نہیں۔

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

(۶) بعض عرفا قل انما انابشر مثلکم کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اے محبوب ﷺ! فرمادیجئے: کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں۔ حضور اکرم ﷺ سے اس لئے کہلوایا کیونکہ خود ذات وجود سے پاک ہے۔ بغیر مشاہدہ کے مان لینا محال ہے۔ اہل ظاہر مثلکم سے یہی دھوکے کا شکار ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کو اپنی مثل کہنے لگے۔ حالانکہ مثلکم میں آقا علیہ السلام کی حقیقت کا ظہور ہے۔ مثال حقیقت کو آشکارا کرتی ہے اگر حضور اکرم ﷺ کی حقیقت بشریت ہوتی تو مثال کی ضرورت نہ تھی۔ اگر ایک شخص کہہ دے کہ فلاں چیز دودھ کی طرح سفید ہے وہ چیز دودھ نہیں بن جاتی بلکہ مثل دودھ ہوتی ہے۔ اسی طرح مثلکم نے بتادیا کہ اے محبوب ﷺ آپ مثل بشر ہیں۔ حقیقت میں بشر نہیں ہیں۔ اگر آپ ﷺ کی حقیقت بشریت ہوتی تو اللہ کریم فرماتا قل انما انابشر۔ اے محبوب ﷺ! آپ صرف بشر ہیں جس طرح بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ایکم مثلی تم میں سے میری مثل کوئی نہیں میں جس کی چاہوں مثال بن جاؤں۔ اللہ تعالی نے مثلکم فرما کر حضور ﷺ کی حقیقت سے پردہ اٹھادیا اور فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (پ۹ر۱۶)

اے محبوب! وہ خاک جوتم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی۔ بلکہ اللہ نے پھینکی۔

یہ کامل معیت کا بیان ہے یعنی اے محبوب ﷺ! میں وجود سے پاک ہوں اور تو سایہ سے پاک ہے اور تو میرا سایہ ہے۔ لہٰذا تیرا وجود اور میرا سایہ مل کر میرا ظہور ہوگیا۔ میں بے مثل تیری صورت میں مثال بن کر ظاہر ہوا۔ میرے دادا بزرگوار حضرت خواجہ حافظ گل محمد قادری قدس سرہ کیا خوب فرماتے ہیں:

محمد ﷺ مدنی ماہی جیہڑا آیا ویس وٹا اے قسم خدا اے
لوکاں دے سمجھاون کارن مکھ تے چاگھنڈ پاۓ قسم خدا اے
باہراں بشری چال رحمانی کوئی بجھی یار داتا اے قسم خدا اے
حافظ عاشقاں خوب بجھاتا مظہر ذات خدا اے قسم خدا اے

ملائکہ لباس بشریت میں:

حضور ﷺ فقط انسانوں کی راہنمائی اور قابل اتباع نمونہ پیش کرنے کے لئے لباس بشریت میں جلوہ گر ہوئے۔ مثلیت صرف ظاہری چہرے میں ہے۔ نور جب لباس بشریت میں ظاہر ہوتا ہے تو بشری عوارض سے متاثر ہونے کے باوجود نور ہی رہتا ہے۔ اس کی حقیقت اور اصلیت کی نفی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ قرآن وحدیث میں ایسے کئی واقعات موجود ہیں۔

(۱) جبرائیل امین نور ہیں مگر حضرت مریم علیہا السلام کو بیٹا عطا کرنے کے لئے لباس بشری میں تشریف لائے۔ مگر اس کے باوجود نور ہی رہے۔ قرآن کریم شاہد ہے۔

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ (پ۱۶ ع۵) پس وہ اس کے سامنے تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔ تو پس معلوم ہوا کہ بشر انسان کے ظاہری شکل وصورت اور بشرہ کو کہتے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

جاء ملك الموت الى موسى عليه السلام فقال له اجب ربك قال: فلطم موسى عليه السلام عين ملك الموت ففقا ها۔ (مسلم شریف ص۱۰۴۹ ۶۱۴۹ حدیث نمبر ۶۱۴۹ باب من فضائل موسی مکتبہ دار السلام للنشر والتوزیع الریاض) ملک الموت جب حضرت موسی علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کی اپنے رب کو جواب دیجئے (روح قبض کروایئے) تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسی علیہ السلام نے ملک الموت کی آنکھ پر تماچہ مارا اور آنکھ نکال دی۔

(۳) حضرت جبرائیل علیہ السلام کئی بار سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں انسانی شکل وصورت میں حاضر ہوئے۔ لیکن پھر بھی ان کی حقیقت یعنی نور ہونے میں کوئی فرق نہ آیا۔

نہ بدلی شکل انسانی میں آکر اصل جبرائیلی

تو کیا حبیب خدا محمد مصطفی ﷺ جسے حق سبحانہ تعالی نے تمام مخلوق سے پہلے اپنے نور سے پیدا فرمایا اگر لباس بشری میں جلوہ گر ہوں تو آپ کی نورانیت میں کیسے فرق آسکتا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں تصریح موجود ہے:

يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ۔

(نشر الطیب از مولوی اشرف علی تھانوی ص ٦ فصل ا، نور محمد کے بیان میں اسلامی کتب خانہ لاہور)

یعنی اے جابر! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔

(۴) حضرت جبرائیل امین جب بشری شکل میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سفید کپڑے اور سیاہ بال رکھتے تھے۔ کافی اصحاب نے اس مقرب ترین فرشتہ کی انسانی شکل وصورت میں زیارت کی۔ بروایت صدیقہ ابن صدیق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بصورت دحیہ کلبی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر دیکھا۔

مشکوۃ شریف کی پہلی حدیث بروایت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک صاحب حاضر بارگاہ ہوئے جو عمدہ سفید لباس پہنے ہوئے اور ان کے بال گہرے سیاہ تھے۔

دیگر ترمذی شریف ج ۲ المناقب سیدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جبرائیل امین کو دوبارہ دیکھا یعنی بشری شکل وصورت میں!

تمثل کو حقیقت مان لینا کور نہمی ہے

حضور علیہ السلام کسی لحاظ سے ہماری مثل نہیں:

حضور ﷺ ایمان وایقان اور عبادات ومعاملات غرضیکہ کسی چیز میں بھی ہماری مثل نہیں بلکہ بے مثل وبے مثال ہیں۔

(۱) سرکار دوعالم ﷺ نے تمام غیوب کو دیکھنے کا مقام ومرتبہ پایا یعنی جنت ودوزخ فرشتوں کو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کو بھی اپنی مبارک آنکھوں سے دیکھا، ہمارا ایمان غیب پر ہے یعنی آپ سے سن کر ایمان لائے۔

(۲) رسول اکرم ﷺ کا کلمہ ہے انی رسول اللہ یعنی بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جائیں۔

(۳) ہمارے لئے ارکان اسلام پانچ ہیں (کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوۃ) جبکہ حضور ﷺ کے لئے چار یعنی آپ پر زکوۃ فرض نہیں۔(شامی کتاب الزکوۃ)

(۴) ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں جبکہ نبی علیہ السلام پر چھ یعنی آپ ﷺ پر نماز تہجد بھی فرض تھی۔ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ۔

اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کرو۔ یہ خاص تمہارے لئے زیادہ ہے۔

(۵) ہم کو چار بیویوں کی اجازت ہے مگر رسول اللہ ﷺ کے لئے کوئی پابندی نہیں۔ ہماری بیویاں ہماری وفات کے بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہیں۔ مگر آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سب مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔ اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

اور کسی کے نکاح میں کبھی نہیں آسکتیں۔ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا۔ اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔

(۶) ہمارے بعد ہماری میراث بٹے مگر حضور ﷺ کی میراث تقسیم نہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ۔ ہماری (انبیاء کرام علیہم السلام کی) وراثت تقسیم نہیں ہوتی جو ہم چھوڑیں۔ وہ (امت کے لئے) صدقہ ہے۔ اصل حدیث پاک یوں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ إِنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ رسولُ الله أَرَدْنَ أَنْ يَبْعَثْنَ عثمان بنِ عفّانَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَيَسْأَلْنَهُ ميراثهُنَّ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ عَائِشَةُ لَهُنَّ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسولُ اللهِ ﷺ: لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ۔

(مسلم شریف ص ۷۷۸ حدیث ۴۵۷۷ باب حکم الفئی مکتبہ دار السلام للنشر والتوزیع الریاض)

(۷) ہمارا پاخانہ پیشاب ناپاک مگر حضور ﷺ کے فضلات شریفہ امت کے لئے پاک۔ (شامی باب الانجاس)

جب بیت الخلاء کو جاتے تو زمین پھٹ جاتی اور تمام فضلات شریفہ اپنے اندر جذب کر لیتی، حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس جگہ صرف کستوری کی خوش بو ہوتی، کوئی پاخانہ

کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔اس لئے جمہور علمائے کرام آپ ﷺ کے فضلات شریفہ کے طاہر ہونے کے قائل ہیں۔ مرقات باب احکام المیاہ فصل اول میں ہے: وَمَنْ ثَمَّ اختار کثیرٌ مِّن اَصْحَابِنَا طَهَارَةَ فُضَلَاتِهٖ ۔ یعنی انہی وجہ سے ہمارے بہت زیادہ اصحاب نے آپ ﷺ کے فضلات شریفہ کے پاک ہونے کا حکم فرمایا ہے۔اور مرقات باب الستر میں ہے وَلِذَا حَجَمَهٗ اَبُوْ طَيْبٍ فَشَرِبَ دَمَهٗ اور اسی لئے ابو طیب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو پچھنے لگائے تو آپ کا خون شریف پی لیا۔ایسے واقعات غزوہ احد میں بھی رونما ہوئے ،سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت گار حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ آپ ﷺ کا بول مبارک پی لیا،ایسا معلوم ہوا جیسا نفیس میٹھا پانی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تیرے پیٹ میں کوئی بیماری نہ ہوگی۔

یہ تو شرعی احکام میں فرق بتائے گئے ورنہ لاکھوں امور میں فرق عظیم ہے۔ہمیں اس ذات کریم سے کبھی کسی صورت میں برابری نہیں ہوسکتی۔یوں سمجھیں کہ آپ ﷺ بے مثل خالق کے بے مثل بندے ہیں۔

کلام اللہ شریف میں جہاں بھی حضور ﷺ کے لئے قل انما انا بشر مثلکم کا فرمان صادر ہوا،آگے پیچھے سیاق وسباق کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مشرکین کے بے ہودہ سوالات، بے جا طلب معجزات اور طرح طرح کی زبان درازیوں کے جواب میں حق سبحانہ وتعالی نے فرمایا: اے محبوب ﷺ! ہم نہ کہیں گے آپ ہی ان کے ناپاک ارادے فقط یہ کہہ کر خاک میں ملادیں قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی ۔یعنی تم فرمادو کہ میں بھی تمہاری مثل بشر ہوں لیکن مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔پس اس بیان عالی شان کے آگے وہ دم بخود رہ جاتے اور ان کے سارے منصوبے اور پروپیگنڈے دھرے کے دھرے رہ جاتے۔لیکن جب صحابہ کرام کا جم گھٹا ہوتا تو زبان درخشاں سے ایسے ایسے ارشادات عالیہ زیر سماعت آتے:

لست مثلکم ۔یعنی میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔

لست کھیئتکم ۔یعنی میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔

لست کأحد کم ۔یعنی میں تم میں سے کسی ایک کی مانند نہیں ہوں۔

ایکم مثلی ۔یعنی کون ہے تم میں مانند میرے (استفہام انکاری ہے یعنی کوئی نہیں) (تجلیات حقیقت محمدی ص ۱۹۰)

اب مقام غور ہے کہ جب مشرکین سوال کریں تو ارشاد ہوا انما انا بشر مثلکم (میں تمہاری مثل بشر ہوں) اور جب مؤمنین سوال کریں تو ارشاد ہوا ایکم مثلی (تم میں مجھ جیسا کون ہے) اب معترضین کے لئے عرض ہے کہ حضور ﷺ کفار و مشرکین کو تو معاذ اللہ اپنی مثل فرمائیں جبکہ اصحاب مکرمین کو فرمائیں تم میں مجھ جیسا کون ہے۔

اب اگر کفار کہیں معاذ اللہ تمہارے رسول ہماری مثل ہیں اور قرآن میں بھی یہی وارد ہے تو کیا ہماری غیرت برداشت کرے کہ اپنے رسول کو۔۔۔۔معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔اے لوگو! ذرا ہوش کے ناخن لو۔

بات دراصل یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کی بات اپنوں سے کرتا ہے غیروں سے نہیں کرتا۔اگر کوئی بچہ کسی بزرگ سے سربستہ رموز ہائے تصوف کے بارے میں دریافت کرے تو وہ فرمائیں گے بیٹا! یہ باتیں اہل اللہ کی ہیں وہ جانیں ہمیں کیا خبر۔جتنے تک کوئی انکا دلی دوست اور محرم راز سامنے نہ ہوگا۔وہ بیان نہ کریں گے۔اسی طرح جن میں اللہ تعالی نے عرفان وایقان کا ظرف ہی نہ رکھا تھا اور جن کے دلوں پر باقاعدہ مہریں لگا دیں۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (پ ا ع ا)

ان کے سامنے حقیقت بیان کا کیا فائدہ انہیں اسی بات پر چلتا کیا میں بھی تمہاری مثل بشر ہوں، لیکن مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔اب جبکہ یاران باصفا کا مجمع ہوا اور سامنے صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی المرتضی رضی اللہ عنہم جیسے اکابرین امت موجود پائے تو فرمایا: ایکم مثلی (تم میں مجھ جیسا کون ہے)

طوالت کے اندیشہ سے فقط دو احادیث مبارکہ سپرد قلم کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بیٹھ کر پڑھی جانے والی نماز آدھی ہے، راوی کہتے ہیں اس کی تصدیق کے لئے جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے اس حدیث کے متعلق عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصفُ الصَّلٰوةِ وَلٰکِنِّی لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ۔ (مشکوۃ شریف ج ا ص ۲۷۶ مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور)

یعنی بیٹھ کر پڑھی جانے والی نماز آدھی ہے لیکن میں تمہارے کسی فرد کی مانند نہیں ہوں۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال (لگاتار روزوں) سے منع فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی وصال کا روزہ رکھتے ہیں تب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاَیُّکُمْ مِثْلِی اِنِّی اَبِیْتُ یُطْعِمُنِی رَبِّی وَیَسْقِیْنِی۔ (مشکوۃ شریف ج ا ص ۴۳۱ فرید بک سٹال لاہور)

فرمایا تم میں مجھ جیسا کون ہے میں رات گزارتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی۔

مست بادہ قیوم حضرت مولانا روم کیا خوب فرماتے ہیں:

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

کفار نے کہا ہم بھی انسان ہیں اور انبیاء بھی انسان ہیں ہم بھی کھاتے ہیں اور سوتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح:

ایں نہ دانستند ایشاں از عمیٰ ہست فرقے درمیاں بے انتہا

ان اندھوں نے یہ نہ جانا کہ ان کے درمیان اور انبیاء کے درمیان تو بے انتہاء فرق ہے۔

ہر دو یک گل خورد زنبور و نحل　　زاں یکے شد نیش زاں دیگر عسل

ویسے تو زنبور (بھڑ) اور شہد کی مکھی ایک پھول سے ہی خوراک حاصل کرتی ہے لیکن وہاں ڈنگ نمودار ہوتا ہے اور یہاں شہد۔

ہر دو گوں آہو گیاہ خوردند و آب

زیں یکے سرگیں شد وزاں مشک ناب

دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس کھاتے ہیں۔ اور پانی پیتے ہیں۔ لیکن ایک سے صرف لید نکلتی ہے اور دوسرے سے خالص کستوری۔

ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا　　واں خورد گردد ہماں نور خدا

کافر کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے۔ اور نبی کھاتا ہے تو وہ نور خدا بنتا ہے۔

انبیاء کو اپنی مثل کفار نے کہا:

(۱) سب سے پہلے نبی علیہ السلام کو بشر شیطان نے کہا جیسا کہ قرآن مجید فرقان حمید سے واضح ہے جب اللہ کریم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم صفی اللہ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس لعین نے سجدہ نہ کیا۔ اللہ رب العزت نے شیطان سے فرمایا: تو نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ قَالَ لَمْ أَكُنْ لِأَسْجُدَ لِبَشَرٍ۔ (پ۱۴ ع ۳) (بولا مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں)

ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو محض بشر کہا تو شیطان کہلایا۔

تو جو امام الانبیاء حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کہے اس کا کیا حال ہوگا۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جب راہ ہدایت بتائی:

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (پ۱۲ ع ۳) تو اس قوم کے سردار جو کافر ہوئے تھے بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی (اپنی مثل بشر) دیکھتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی مثل بشر کہہ کر بہت سی امتیں اسلام سے محروم رہیں۔ قرآن پاک میں

جابجا ان کا ذکر موجود ہے۔

(۳) حضرت ہود علیہ السلام کو بھی مشرکین قوم عاد نے کہا:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ۔

(پ ۱۸ ع ۳) یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی (بشر) جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے پیتا ہے۔

(۴) حضرت صالح علیہ السلام کی کافر قوم ثمود نے کہا: کذبت ثمود بالنذر۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ۔ (پ ۲۷ ع ۳) ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا تو بولے کیا ہم اپنے میں سے ایک آدمی (بشر) کی تابعداری کریں۔ جب تو ہم ضرور گمراہ اور دیوانے ہیں۔

(۵) عاد و ثمود پر عذاب الٰہی کی یہی وجہ تھی کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا اور انہیں اپنی مثل بشر کہا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ (پ ۲۸ ع ۱۵)

یہ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں (معجزات) لائے تو بولے کیا آدمی (بشر) ہمیں راہ دکھائیں گے۔ تو کافر ہوئے اور پھر گئے اور اللہ نے بے نیازی کو کام فرمایا اور اللہ بے نیاز ہے۔ سب خوبیوں کا سراپا۔

(۶) حضرت شعیب علیہ السلام کی کافر قوم نے کہا:

وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ (پ ۱۹ ع ۱۴) تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی (ہماری مثل بشر)

(۷) حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعونیوں نے کہا:

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۔ (پ ۱۸ ع ۳) تو (فرعونی) بولے کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو آدمیوں پر (اپنی مثل دو بشروں پر) اور ان کی قوم ہماری بندگی کر رہی ہے۔ صاحب رشد الایمان لکھتے ہیں کافر کی عقل ماری جاتی ہے انہوں نے اپنے جیسے بشر

فرعون کو خدا مان لیا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو باوجود معجزے دیکھنے کے نبی نہ مانا۔ اس سے معلوم ہوا نبی سے ہمسری کا دعویٰ ایمان سے روک دیتا ہے۔ دل میں پہلے نبی کی عظمت آتی ہے پھر رب کی ہیبت پیدا ہوتی ہے۔

عارف روم فرماتے ہیں:

کافراں دیدند احمد رابشر آں نہ دانستند کہ آں شق القمر

کافروں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر جانا وہ یہ نہ سمجھے کہ آپ چاند کو ٹکڑے کرنے والے ہیں۔

(۸) مشرکین مکہ نے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ (پ ۱۸ ع ۱)

یہ کون ہیں؟ ایک تمہیں جیسے آدمی (بشر) تو ہیں۔

معلوم ہوا برابری کرنے کے لئے، نبی علیہ السلام کو بشر کہنا کفر ہے۔ جیسے اللہ کریم کو چراغ کہنا، اور یہ آیت مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ۔ (پ ۱۸ ع ۱۱)

اس کے نور کی مثال ایسی جیسی ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔ نیز عام محاورہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کو بشر کہنا حرام اور طریقہ کفار ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ (پ ۱۸ ع ۱۵) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی تفسیر نور العرفان میں فرماتے ہیں۔ نبی کو بشر یا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا خود نبی علیہ السلام نے یا پھر کفار نے۔ اب جو نبی کو محض بشر کہے وہ نہ تو خدا ہے اور نہ ہی نبی تو کیا ہوا؟

امام اہل سنت، مجدد دین ملت، پروانہ شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کیا خوب فرماتے ہیں:

تیرا مسند ناز ہے عرش بریں، تیرا محرم راز ہے روح امیں
تو ہی سرور ہر دو جہاں ہے شہا، تیرا مثل نہیں ہے خدا کی قسم!

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِيْهِمْ (القرآن)

شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِهَا لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِهَا (حدیث)



عقیدۂ شفاعت



هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ

لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْأَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

شفاعت کا لغوی معنی و مفہوم:

لفظ شفاعت ''شفع'' سے لیا گیا ہے جس کا معنی نہایہ میں کچھ اس طرح ہے۔

''شَفْعٌ'' وَهِيَ مُشْتَقَّةٌ مِنَ الزِّيَادَةِ لِاَنَّ الشَّفِيْعَ يَضُمُّ الْمَبِيْعَ اِلٰى مِلْكِهٖ فَيَشْفَعُهٗ لَهٗ كَاَنَّهٗ كَانَ وَاحِدًا وِتْرًا فَصَارَ زَوْجًا شَفْعًا وَالشَّافِعُ هُوَ الْجَاعِلُ الْوِتْرَ شَفْعًا ''۔(نہایہ ج ۲ ص ۴۸۵ مکتبہ اسماعیلیاں ایران)

''شَفْعٌ یہ زیادتی (کوئی چیز ملا کر دوسری کو بڑھانا) سے مشتق ہے۔ کیونکہ شفعہ کرنے والا بکی ہوئی چیز کو اپنی ملکیت میں ملاتا ہے پس وہ اپنی ملکیت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ گویا کہ وہ ایک اور طاق چیز تھی پس وہ دو اور جفت ہوگئی اور شافع اس شخص کو کہتے ہیں جو طاق کو جفت کرنے والا ہو''۔

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

''اَلشَّفَاعَةُ اَلسُّوَالُ فِي التَّجَاوُزِ عَنِ الذُّنُوْبِ وَالْجَرَائِمِ بَيْنَهُمْ'' شفاعت: آپس میں گناہوں اور جرائم سے عفو و درگزر کرنے کی درخواست ہے۔

شفاعت کا اصطلاحی مفہوم:

کسی مرد حق اور مقبول الٰہی ذات کا کسی کے کبیرہ گناہوں میں عذاب کی تخفیف یا کلی طور پر معافی یا صغیرہ گناہوں کی معافی کے لئے یا دخول جنت اور بلندی درجات کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے اذن سے اس کی عطا فرمودہ وجاہت یا محبوبیت کی بناء پر شفاعت کرنا۔

شفاعت کی اقسام:

علمائے اسلام نے تحقیق کے بعد شفاعت کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

(۱) شفاعت بالوجاہت (۲) شفاعت بالمحبت (۳) شفاعت بالاذن

شفاعت بالوجاہت:

اللہ تعالیٰ نے اپنے مکرم بندوں کو یہ عزت اور وجاہت دی ہے کہ وہ ان کی درخواست کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب و محبوب بندوں کا لحاظ فرماتا ہے۔ وہ مالک اگر نہ بھی

کرے تو اسے کسی قسم کے نقصان اور خوف کا کوئی اندیشہ نہیں۔لیکن اس عبدِ وجیہہ کی بات کو رد کرنا اس کی عزت و وجاہت کے خلاف ہے جو اس نے اپنے مقبول بارگاہ بندوں کو عنایت فرمائی ہے۔

شفاعت اور جبر الگ الگ چیزیں ہیں۔ شفاعت میں عزت و مقام و مرتبہ کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔جبکہ جبر میں اس چیز کا تصور نہیں ہوتا۔

آپ درگاہ خدا میں ہیں وجیہہ
اب شفاعت بالوجاہت کیجئے

شفاعت بالمحبت:

شفاعت بالمحبت شفاعت کا وہ درجہ ہے جو اس امر کا متقاضی ہے کہ جس کے پاس سفارش کی جارہی ہو اسے سفارش کنندہ سے غایت درجہ محبت ہو۔اور اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میں اپنے بندہ کو محبوب بنالیتا ہوں تو: لَئِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور بضرور اسے عطا کرتا ہوں۔

محبت کا یہ تقاضا ہے کہ محبوب کی رضا اور خوشنودی کو ہر چیز پر مقدم رکھا جائے۔کوئی محب اپنے محبوب کو رنجیدہ خاطر نہیں دیکھنا چاہتا۔حضور اکرم ﷺ کی شان محبوبیت کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى ۔اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔اسی طرح اللہ تبارک وتعالی اپنے محبوب بندوں کی دینی و دنیاوی حاجتوں کے بارے میں ان کی سفارش و دعا قبول فرماتا ہے۔جس طرح کہ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان عالی شان اس پر شاہد ہے۔فرمایا: كَمْ مِنْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَأَبَرَّهُ "۔(جامع الترمذی۔ج۵ص۲۹۳ حدیث۳۸۵۴)

کتنے ہی گرد آلود بالوں والے، خاک نشین، جن کے ہاں دو (ایرانی) چادروں کے سوا کوئی چیز نہ ہو اور جن کی طرف توجہ نہ کی جاتی ہو، ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اللہ تبارک وتعالی پر قسم ڈال دیں

تو وہ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔اور اگر بنظر غائر اس حدیث مبارکہ کے مفہوم کی طرف توجہ کی جائے تو یہی شفاعت بالمحبت ہے کہ اگر وہ کسی کے لئے سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ اسے رد نہیں کرتا۔

جب عام بندوں کا یہ عالم ہے تو امتیازی شان کی حامل حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔

حق تمہیں فرما چکا اپنا حبیب
اب شفاعت بالمحبت کیجئے

شفاعت بالاذن:

بندے اللہ تعالیٰ کے مجرم ہیں اور وہی بخشش فرمانے والا ہے۔اس بخشش میں اس پر کسی کا زور نہیں۔وہی تنہا اور اکیلا ہی اس مغفرت اور کرم گستری کا مالک ہے۔لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے عباد خواص کی خصوصیت کا اظہار کرنے کے لئے ان کو حشر کے میدان میں یہ مقام عطا فرمائے گا۔اور انہیں اذن مرحمت فرمائے گا کہ وہ اس کے گناہ گار بندوں کی شفاعت کریں۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے اذن کے بغیر شفاعت کا عقیدہ گمراہی ہے۔جبکہ اذن الٰہی سے شفاعت نص قرآنی سے ثابت ہے۔لہذا اس کا انکار بھی گمراہی وبدعقیدگی ہے۔اس کے متعلق قرآن پاک کی بے شمار آیات شاہد ہیں۔جن میں سے چند کا ذکر حسب ذیل ہے۔

(۱) مَنْ ذَا الَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (سورۃ البقرہ آیت ۲۵۵)

کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرسکے۔

(۲) مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۔(سورۃ یونس آیت ۳)

اس کی اجازت کے بعد ہی کوئی سفارش کرنے والا سفارش کرے گا۔

(۳) وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۔(سورۃ سبا آیت ۲۳)

اور اس کے پاس (کسی کی) سفارش کام نہیں آتی بجز اس کے کہ جس کو وہ خود اجازت دے۔

ان آیات مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ پاک کی اجازت سے اللہ کے مقرب وصالح بندے شفاعت کریں گے۔اور یہ اذن ان کو ہو چکا ہے، قیامت کے روز صرف اذن کلام ہوگا۔

اذن کب کا مل چکا ہے یا حضور! ہم غریبوں کی شفاعت کیجئے

انبیاء علیہم السلام کی بارگاہ خداوندی میں وجاہت:

رب العزت نے دنیا و آخرت میں انبیاء کرام کو دائمی عزت ووجاہت سے نوازا اوران کو اعلیٰ مقام عطا فرمایا۔اوران کا تذکرہ قرآن پاک میں بارہا فرمایا۔

(۱) حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمان خداوندی ہے: سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (سورۃ صافات آیت ۷۹تا۸۱)

نوح پر سارے جہانوں میں سلام ہو۔تحقیق ہم اپنے نیک بندوں کو یونہی جزا دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے ہیں۔

(۲) حضرت لوط علیہ السلام کے حوالے سے ارشاد ہوا۔ وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۔(سورۃ انبیاء آیت ۷۴)اورہم نے لوط کو اپنے حریم رحمت میں داخل فرمالیا بے شک وہ صالحین میں سے ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ۔(سورۃ الاحزاب آیت ۶۹)اوروہ اللہ کے ہاں بڑے مقام ومرتبہ والے تھے۔

(۴) تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے ارشادفرمایا:

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَیْنَا وَنُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰی وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔وَزَكَرِیَّا وَیَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۔ (سورۃ الانعام ۸۵تا۸۸)

اورہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور سب کو ہدایت سے نوازا اور

ہم نے اس سے پہلے نوح کو ہدایت دی اور اس کی اولاد سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو ہدایت دی۔ اور ہم اسی طرح نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں۔ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام سب نیک لوگوں میں سے ہیں اور اسماعیل، یسع، یونس اور لوط اور ہم نے ہر ایک کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

(۵) اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے: وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۔ (سورۃ آل عمران آیت ۴۵) (وہ عیسیٰ) دنیا اور آخرت میں وجیہہ (باعزت ومقام) ہیں اور مقربین میں سے ہیں۔

اس تمام بحث وتمحیص کے باوجود ذہن میں ایک سوال اٹھتا ہے کہ ٹھیک ہے کہ تمام انبیاء کا بارگاہ الوہیت میں ایک خاص مقام ومرتبہ ہے لیکن اس وجاہت سے شفاعت کا پہلو کس طرح نکلتا ہے جبکہ اس طرف کوئی اشارہ نہیں تو آیئے مفسرین کے نزدیک دیکھتے ہیں کہ اس وجاہت کا کیا مطلب ہے تو امام بیضاوی اسی مذکورہ آیت مبارکہ کے بارے میں رقم طراز ہیں۔ الْوَجَاهَةُ فِي الدُّنْيَا النُّبُوَّةُ وَفِي الْآخِرَةِ الشَّفَاعَةُ۔ انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف بالبیضاوی شریف ج ا ص ۲۵۶) کہ وجاہت سے مراد دنیا میں یہ ہے کہ ان کو نبوت عطا کی اور اخروی وجاہت سے مراد ہے کہ آخرت میں ان کو اذن شفاعت ہوگا۔

تو ان آیات اور ان کی تفسیر کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ شفاعت بالوجاہت برحق ہے اور انبیاء کرام اپنے اپنے مقام ومرتبہ کے مطابق شفاعت فرمائیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بالوجاہت قرآن کی نظر میں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں اور تمام مخلوق سے بڑھ کر اللہ تعالی کو محبوب ہیں اسی وجہ سے جملہ مخلوق سے مقام ومرتبہ کے لحاظ سے امتیازی شان کے حامل ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن پاک نے متعدد مقامات پر آپ کی پیغمبرانہ وجاہت کو بیان کیا ہے۔

(۱) وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ (سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں صراحۃ شفاعت کا ذکر ہے کیونکہ آخرت کے جہاں میں رحمت اسی طرح ہوسکتی ہے کہ لوگوں کو عذاب جہنم سے چھٹکارا دلایا جائے اور یہی تو شفاعت ہے۔

(۲) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيْهِمْ ۔ (سورۃ الانفال آیت ۳۳)

اللہ تعالی کے شایان شان یہ بات نہیں کہ وہ ان پر عذاب نازل کرلے جبکہ آپ بھی ان میں موجود ہوں۔

(۳) وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۔ (سورۃ الضحی آیت ۵) عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا کچھ عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالی نے شفاعت قبول کرنے کی حد کردی۔ اور بات اس موڑ پہ لاکر ختم کردی کہ اے محبوب! تو جس طرح چاہے اسی طرح تجھے راضی کروں تو آیئے! پڑھئے: کہ کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے راضی ہوں گے اور پھر صحیح عقیدہ پر ایمان لایئے۔

(۱) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے بارے میں دعا کر کے گریہ زاری فرمارہے تھے کہ خداوند قدوس نے جبرائیل امین کو بھیجا اور فرمایا: جا! اور پوچھ کہ اے محبوب! کس چیز نے آپ کو گریہ زاری پر مجبور کیا؟ جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے اور دریافت کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا: کہ وہ اپنی امت کے لئے آنسو بہا رہے تھے۔

اس پر اللہ تعالی نے فرمایا: جبرائیل! جا اور میرے محبوب سے کہہ دے:

إِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ ۔ (صحیح مسلم شریف، کتاب الایمان، باب دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ ج احدیث ۳۴۶) تحقیق ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کریں گے اور آپ کو رنجیدہ خاطر نہیں کریں گے۔

(۲) امام خازن اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فِي الشَّفَاعَةِ فِي اُمَّتِهٖ حَتّٰى يَرْضٰى۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی امت کی شفاعت میں آپ ﷺ کو رنجیدہ نہیں کرے گا یہاں تک کہ آپ ﷺ راضی ہوجائیں گے۔ (خازن مع مدارک جلد ۴ ص ۳۸۶)

(۳) جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو فرمان نبوت ہوا: اِذًا وَاللّٰهِ لَا اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ فِي النَّارِ۔ (تفسیر قرطبی ج ۲۰ ص ۹۴) تب تو خدا کی قسم میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میرا ایک امتی بھی آگ میں ہو۔

بتایئے! قسم بخدا! یہ شفاعت بالوجاہت نہیں تو اور کیا ہے۔ ارے یہی تو شفاعت کبریٰ ہے۔ اس سے بڑھ کر شفاعت کا تصور کیسے ممکن ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت بالوجاہت احادیث کی روشنی میں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت میں عرض کناں ہیں: مَا اَرٰى رَبَّكَ اِلَّا يُسَارِعُ فِيْ هَوَاكَ۔ (صحیح بخاری شریف۔ ج ۲ ص ۷۶۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی) میرا تو یہی خیال ہے کہ آپ کا رب آپ کی رضا جوئی میں جلدی فرماتا ہے۔ اور رضا کے بارے میں گزشتہ صفحات میں تفصیل سے ذکر ہوچکا ہے:

(۲) اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ۔ (صحیح مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی) قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار میں ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں۔

ذرا غور فرمایئے! کہ قیامت کے روز وہ شخص جو حضور ﷺ کا امتی ہے اور اس نے صرف قرآن پاک حفظ کیا ہے تو اسے کتنی شان وشوکت کے ساتھ لایا جائے گا اور اسے قیامت کی سختی کا احساس نہ ہوگا۔ بلکہ خداوند قدوس کی رحمت اس پر سایہ فگن ہوگی تو جو ذات سردار الانبیاء ہے اس ذات کی عظمت ووجاہت کا کیا عالم ہوگا۔ (سبحان اللہ) آگے پڑھیے! شفاعت کے بارے میں:

(۳) وَاَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا اَيِسُوْا۔ (جامع ترمذی شریف۔ ص ۵۱۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

روز محشر جب تمام لوگ حالت یاس میں ہوں گے تو میں انہیں خوشخبری سنانے والا ہوں گا۔

تو اب غور فرمایئے! کہ حضور ﷺ کی ذات مبارکہ سردار الانبیاء ہے اور پھر اس عالم میں جب ہر شخص مصیبت میں پھنسا ہوگا۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ نہ ماں، اولاد کے کام آئے گی، نہ کوئی دوست، دوسرے دوست کی سنے گا۔ تو اس وقت لوگوں کی تمنا اور کیا ہوگی؟ سوائے اس کے کہ ہمیں چھٹکارہ مل جائے، کہیں سے گناہوں کی بخشش ہو جائے۔ اور ہاں اگر اس حدیث پاک کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ خوشخبری سے مراد حساب وجزاء کا شروع ہونا ہے۔ تو پھر بھی اس سے شفاعت ہی کا پہلو نکلتا ہے۔ تَدَبَّرُوْا فَافْهَمُوْا۔ تو فیصلہ خود فرمایئے کہ اس روز بھی خوشخبریاں اور مژدے سنانے والے نبی کی یہ شفاعت بالوجاہت نہیں تو اور کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) اَنَا اَوَّلُ شَفِیْعٍ فِی الْجَنَّةِ لَمْ یُصَدَّقْ نَبِیٌّ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ مَا صُدِّقْتُ۔ (صحیح مسلم شریف۔ ج ا ص ۱۱۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

سب سے پہلے جنت کے بارے میں شفاعت میں کروں گا کسی نبی کی اتنی تصدیق نہیں کی گئی جتنی میری کی گئی ہے۔ اس حدیث پاک میں اتنی صراحت کے ساتھ شفاعت کا ذکر ہے کہ کسی قسم کی بحث کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ باوجود اس کے اگر کوئی نہ مانے تو۔۔۔۔۔۔۔۔ تو ان احادیث کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ شفاعت بالوجاہت کا تصور درست ہے اور اس کا ثبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں موجود ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی شفاعت بالمحبت قرآن کی روشنی میں:

اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد پاک ہے: عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت ۷۹) عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔ یہ وہ مژدہ جانفزا ہے جو کہ محبت کے انتہائی جذبات کی عکاسی کر رہا ہے۔

جس میں محبت کا جام چھلکتا ہوا نظر آتا ہے کہ اے محبوب ﷺ! ہم نے تجھے سردار الانبیاء بنایا، خاتم النبیین بنایا، ہم نے تمام جہان کی نبوت تجھے عنایت فرمائی۔ مگر اے محبوب ﷺ! دل نہیں

بھرااور ساعت کرکہ: عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۔محبوب! اس دنیا میں تو تیری شان وشوکت کے ڈنکے بج چکے اور بج رہے ہیں ۔آخرت کے بارے میں بھی لوگ سن لیں کہ اس جہان میں اگر سردار ہے تو میرا حبیب ﷺ ہے اور اگر آخرت میں ہر شخص کسی ذات کا دست نگر ہوگا تو وہ بھی میرے محبوب کی ذات ہوگی۔

اس آیت مبارکہ میں مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہی ہے ۔اس پر احادیث اور تفاسیر میں تصریح موجود ہے۔

(۱) عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِی قَوْلِہٖ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا وَسُئِلَ عَنْھَا قَالَ ھِیَ الشَّفَاعَۃُ۔ (جامع الترمذی ج ۲ ص ۱۴۲)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تبارک وتعالی کے ارشاد عسی ـــــــ الخ کے بارے میں فرمایا۔اور آپ سے اس (مقام محمود) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ یہ شفاعت ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَنْ یُّقِیْمَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا مَقَامَ الشَّفَاعَۃِ ۔(تفسیر ابن عباس ص ۲۴۰) یعنی آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا جو کہ مقام شفاعت ہے۔

(۳) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یَحْمَدُکَ فِیْہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ وَھُوَ مَقَامُ الشَّفَاعَۃِ ۔(تفسیر جلالین ص ۲۹۰) مقام محمود وہ مقام ہے جہاں اولین وآخرین آپ کی حمد کریں گے اور وہ مقام شفاعت ہوگا۔

تو ان احادیث اور تفاسیر کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ شفاعت بالمحبت بھی قرآن سے ثابت ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالی کا حضور ﷺ کو مقام محمود پہ فائز کرنا، ایک محبت بھرا انداز اور محبانہ تحفہ ہے اور شان محبوبیت کا اظہار ہے ۔اور مقام محمود ہی مقام شفاعت ہے تو اس انداز سے کی گئی شفاعت، شفاعت بالمحبت کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بالمحبت احادیث کی روشنی میں:

(۱) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَلَسَ نَاسٌ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَنْتَظِرُوْنَهٗ ــــــ الخ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں چند اصحاب تشریف فرما تھے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب ہوئے تو انہیں آپس میں گفتگو کرتے ہوئے سنا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو سماعت فرمایا (کہ) ان میں سے ایک تعجب کرتے ہوئے بولا کہ اللہ تبارک وتعالی نے اپنی مخلوق میں سے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنالیا اور دوسرے نے کہا یہ بات حضرت موسی علیہ السلام کے اللہ تعالی سے ہمکلام ہونے سے زیادہ تو تعجب خیز نہیں۔ ایک اور نے کہا: اور عیسی علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ ایک اور نے کہا: کہ آدم علیہ السلام کو چن لیا۔ پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف تشریف لائے، سلام کیا اور فرمایا:

میں نے تمہاری بات اور اس بات پہ تمہارا تعجب کرنا سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں۔ یہ اسی طرح ہے اور موسی علیہ السلام کلیم اللہ ہیں۔ بے شک یہ بات اسی طرح ہے اور حضرت عیسی علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ یہ بات (بھی) اسی طرح ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالی نے چن لیا وہ بھی یقیناً اسی طرح بات ہے۔ (فرمایا)

اَلَا وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّحَرِّكُ حِلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِيْ فَيُدْخِلُنِيْهَا وَمَعِيَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَلَا فَخْرَ۔ (جامع الترمذی۔ ج ۵ حدیث ۳۶۱۶) مگر سنو، غور کرو! میں اللہ کا حبیب ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں اور میں ہی قیامت کے دن .. کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور میں قیامت کے روز سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور شفاعت قبول کیا گیا ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اور سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دینے والا میں ہی ہوں۔ پس میرے واسطے اللہ اسے کھول دے گا اور

مجھے اس میں داخل فرمائے گا جبکہ میرے ساتھ مومن فقراء لوگ ہوں گے اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں میں اولین وآخرین میں سب سے زیادہ مکرم ومعزز ہوں لیکن مجھے کوئی فخر نہیں ہے۔

اس حدیث پاک کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شفاعت بالمحبت کا ایک واضح ثبوت ہے کیونکہ یہ تمام درجات حضور ﷺ کی محبوبیت کی بناء پر عطا کئے گئے ہیں اور اسی پر دال "اَنَا حَبِیْبُ اللّٰہ" ہے۔پس بعد والے تمام مراتب اسی پر محمول کئے جائیں گے تو شفاعت ،شفاعت بالمحبت ہی ہوگی واللہ اعلم بالصواب۔

شفاعت اس جہان فانی میں بھی ایک ثابت شدہ امر ہے:

انبیاء علیہم السلام نے اس دنیا میں رہ کر اپنے امتیوں کی شفاعت کی جس پر قرآن کریم کی متعدد آیات شاہد ہیں۔

(۱) حضرت نوح علیہ السلام کی دعا جو قرآن پاک میں موجود ہے،عرض کی: رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ (سورۃ نوح آیت ۲۸) اے پروردگار! میری مغفرت فرما اور میرے والدین اور جو میرے گھر میں بحالت ایمان داخل ہو اس کی اور تمام مومنین اور مومنات کی مغفرت فرما۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں قرآن نے متعدد بار ذکر کیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۔(سورۃ ابراہیم آیت ۴۱) اے ہمارے پروردگار! محشر کے دن، میری، میرے والدین اور تمام مومنین کی بخشش فرما۔

(۳) سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ اِنَّہٗ کَانَ بِیْ حَفِیًّا (سورۃ مریم آیت ۴۷) میں عنقریب اپنے رب سے تیری شفاعت کروں گا وہ مجھ پر مہربان ہے۔

(۴) حضرت یوسف علیہ السلام کچھ اس طرح بارگاہ الٰہی میں عرض کناں ہوئے۔ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّیْ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔(سورۃ یوسف آیت ۹۸) میں عنقریب اپنے رب سے تمہاری شفاعت کروں گا۔ تحقیق وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

توان آیات کریمہ سے یہ بات اپنے پایہ ثبوت تک پہنچ گئی کہ اس جہان فانی میں رہ کر انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے امتیوں کے لئے شفاعت و بخشش کا سامان کیا۔

شفاعت بالاذن کے بارے میں قرآن پاک کا نظریہ:

شفاعت بالوجاہت اور شفاعت بالمحبت کے بارے میں کچھ مکاتب فکر (Schools of thoughts) کا اختلاف ہے۔ اس لئے ان کے بارے میں ذکر قرآن وحدیث کی روشنی میں گزر چکا۔ جبکہ شفاعت بالاذن کے بارے میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں۔ سو اس کے لکھنے سے احتراز کرتے ہوئے بات کو آگے چلاتے ہیں کہ طوالت کا احساس بھی دامن گیر ہے۔

(۱) مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۵۵) کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے۔

(۲) مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۔ (سورۃ یونس آیت ۳۰) اس (اللہ تعالی) کی اجازت کے بعد ہی کوئی شفاعت کرنے والا ہے۔

(۳) مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۔ (سورۃ نساء آیت ۸۵) جو شخص اچھی شفاعت کرے گا اس کا اس میں سے حصہ ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے بھی شفاعت کریں گے۔ (قرآن کی روشنی میں)

ان صفحات میں ان آیات کریمہ کا ذکر ہوگا جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام بھی شفاعت فرمائیں گے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے متقی افراد بھی شفاعت کریں گے۔ اس حوالے سے درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) متقی افراد مومنین کے لئے کچھ یوں شفاعت کرتے نظر آتے ہیں: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ۔ (سورۃ حشر آیت ۱۰)

(۲) فرشتوں کی شفاعت مومنین کے لئے قرآن پاک نے اس ادا سے پیش کی یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۔ (سورۃ نبا

آیت ۳۸) جس دن روح الامین اور فرشتے صف بہ صف کھڑے ہوں گے۔ (اس دن) وہ گفتگو نہیں کر سکیں گے ہاں مگر وہ جس کو (وہ) رحمٰن اذن عطا فرمائے گا اور وہ درست بات (ہی) کہے گا۔

(۳) وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ۔ (سورۃ انبیاء آیت ۲۸) اور (فرشتے) صرف اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت پر اللہ تعالی راضی ہوگا۔

(۴) وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ (سورۃ مومن آیت ۹) "ان لوگوں کو برائیوں سے بچا اور جس شخص کو تو نے گناہوں (کے عذاب) سے بچالیا تو اس پر تحقیق تو نے رحم فرمایا۔ اور وہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

ان آیات کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے علاوہ دیگر افراد بھی شفاعت کریں گے اور یہ شفاعت صغریٰ ہوگی کیونکہ شفاعت کبریٰ صرف حضور نبی کریم ﷺ کے لئے خاص ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احادیث کے حوالہ سے ثبوت کہ دیگر انبیاء وصالحین علیہم السلام بھی شفاعت کریں گے:

حضور نبی کریم، رؤف رحیم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلٰثَةٌ الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ ۔ (سنن ابن ماجہ، ج ۲ حدیث ۴۳۱۳۔ باب ذکر الشفاعۃ) قیامت کے دن تین (گروہ) شفاعت کریں گے۔ (سب سے پہلے) انبیاء علیہم السلام، پھر علماء، پھر شہداء۔

اس حدیث پاک سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ شفاعت نہ صرف حضور نبی کریم ﷺ فرمائیں گے بلکہ آپ کے امتی بھی شفاعت فرمائیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلشُّفَعَاءُ خَمْسَةٌ اَلْقُرْاٰنُ، وَالرَّحِمُ وَالْاَمَانَةُ وَنَبِيُّكُمْ وَاَهْلُ بَيْتِهٖ ۔ (کنز العمال ج ۱۴ حدیث ۳۹۰۴۱)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شفاعت کرنے

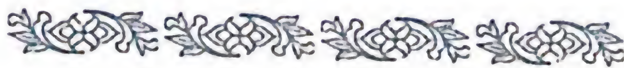
والے پانچ ہیں: قرآن پاک، رشتہ دار، امانت، تمہارے نبی اور اس کے اہل بیت۔"

(۳) عَنْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَیَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ قَوْمٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ قَدْ عُذِّبُوْا فِی النَّارِ بِرَحْمَةِ اللّٰہِ وَشَفَاعَةِ الشَّافِعِیْنَ۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۰ حدیث ۱۰۵۰۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی کی رحمت اور شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے مسلمانوں کا ایک گروہ جنہیں عذاب نار دیا جاچکا ہوگا ضرور بضرور جنت میں داخل ہوگا۔

(۴) عن الحسن البصری قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَشْفَعُ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِیْ مِثْلِ رَبِیْعَةَ وَمُضَرٍ۔ (جامع الترمذی ج ۴ حدیث ۲۴۳۹)

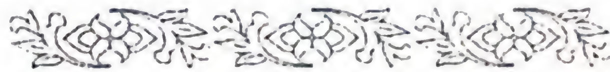
حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ دو قبیلوں ربیعہ اور مضر کے (افراد) کے برابر لوگوں کی شفاعت کریں گے۔

(۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ إِنَّ الرَّجُلَ لَیَشْفَعُ لِلرَّجُلَیْنِ وَالثَّلَاثَةِ وَالرَّجُلُ لِلرَّجُلِ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تحقیق ایک شخص (دوسرے) دو اور تین آدمیوں کے لئے اور ایک شخص دوسرے شخص کے لئے شفاعت کرے گا۔



اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (القرآن)



عقیدہ توسل



آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

اسلام میں وسیلہ کا تصور

وسیلہ کا معنی:

امام راغب اور دیگر ائمہ لغت نے وسیلہ کا معنی ''ذریعہ'' کیا ہے۔ علامہ ابن منظور لفظ وسیلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مَایُتَوَسَّلُ بِہٖ اِلَی الْغَیْرِ۔ (تاج العروس۔۱۱:۷۲۴) یعنی وسیلہ وہ ہے جس کے ذریعے کسی چیز کو حاصل کیا جاسکے اور وہ حصول کا ذریعہ اور واسطہ بنے۔

اَلْوَسِیْلَۃُ فِی الْاَصْلِ مَایُتَوَصَّلُ بِہٖ اِلَی الشَّیْءِ وَیُتَقَرَّبُ بِہٖ اِلَیْہِ۔ (لسان العرب۔۱۱:۷۲۵)

جس چیز کے ذریعے کسی چیز تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل ہو اس کو وسیلہ کہتے ہیں۔

تفسیر کشاف میں ہے:

وَالْوَسِیْلَۃُ کُلُّ مَایُتَقَرَّبُ بِہٖ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی۔ (تفسیر کشاف۔ ج ا ص ۴۸۸)

وسیلہ ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے کسی چیز کا قرب حاصل کیا جائے۔

وسیلہ از روئے قرآن

(ا) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (پ ٦ سورۃ المائدہ آیت ۳۵ رکوع ۵)

ے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔ اور اس کے راستے میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ دونوں جہانوں کی۔

بعض لوگ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ والی آیت مبارکہ میں ''وسیلہ'' سے مراد نیک اعمال تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ تو پہلے ہی ''اتَّقُوا اللّٰہَ'' میں آگئے ہیں۔ اور اس کے بعد وسیلہ کا حکم فرمایا ہے۔ تو معلوم ہوا وسیلہ اور چیز ہے اور اس سے انسان کامل اور ھادی برحق مراد ہے۔ جو خداشناس ہو اور راہ وفا کی منزل طے کرتا ہوا حریم قدس تک پہنچ چکا ہو۔ اور اب اس قابل ہو کہ امت کے ناقص وخام وعام کی راہنمائی کر سکے اور اپنی روحانی قیادت میں انہیں شیطانی وساوس

وخطرات اوررکاوٹوں سے بچا کر بارگاہ یار تک لے جاسکے۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے حتی کہ شاہ اسماعیل دہلوی کو بھی لکھنا پڑا۔

''اہل سلوک ایں آیت رااشارت بسلوک می فہمیدند وسیلہ مرشد رامی دانند پستلاش مرشد بنابر فلاح حقیقی وفوز تحقیقی پیش از مجاہدہ ضروری است وسنت اللہ برھمین منوال جارست لہذا بدون مرشد رایابی نادراست۔'' (صراط مستقیم ص ۵۸)

ترجمہ:۔سالکان راہ حقیقت نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے۔حقیقی کامیابی وکامرانی کے حصول کے لئے مجاہدہ وریاضت سے پہلے تلاش مرشد ازحد ضروری ہے اور اللہ تعالی نے سالکان راہ حقیقت کے لئے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔اس لئے مرشد کی راہنمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ ونادر ہے۔

(۲) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۔(پ۱۵سورۃ بنی اسرائیل آیت ۵۷رکوع ۱۷)

''یہ لوگ جن کی عبادت کرتے ہیں (یعنی ملائکہ، جنات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام وغیرھم) وہ (تو خود ہی) اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے (بارگاہ الٰہی میں) زیادہ مقرب کون ہے؟اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کے شان نزول کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ یہ آیت ایک جماعت عرب کے حق میں نازل ہوئی جو جنات کے ایک گروہ کو پوجتے تھے۔جب وہ جن اسلام لے آئے اور ان کے پوجنے والے اس سے بے خبر رہے تو اللہ تعالی نے انہیں یاد دلایا اور فرمایا:''جنہیں تم پوج رہے ہو وہ ہمارے حضور سربسجود ہیں اور وہ خود ہمارے مقربین کا وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں۔'' (صحیح البخاری ج ۲ص ۶۸۵) (صحیح المسلم ج ۲ص ۴۲۲)

اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوگیا کہ مقربان خدا کا وسیلہ جائز ہے اور وہ خود بھی قرب الٰہی کے

حصول کی خاطر اپنے سے زیادہ مقرب کی تلاش میں رہتے ہیں۔یعنی مقربین کا بھی طرز عمل یہی ہے۔

(۳) وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَٱسْتَغْفَرُوا۟ ٱللَّهَ وَٱسْتَغْفَرَ لَهُمُ ٱلرَّسُولُ لَوَجَدُوا۟ ٱللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (پ۵ سورۃ النساء رکوع ۴ آیت ۶۴)

''اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالی سے مغفرت طلب کرتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور اللہ تعالی کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پاتے''۔

اس آیت مبارکہ میں مومنین کو اپنی مغفرت کے حصول کے لئے بارگاہ مصطفوی ﷺ میں حاضر ہو کر ان کا وسیلہ پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔یہ آیت مبارکہ صرف حضور اکرم ﷺ کی حیات ظاہری تک محدود نہیں جیسا کہ کچھ مکاتب فکر کا نظریہ ہے۔ایسا نظریہ اختیار کرنا قرآن پاک کو نہ سمجھنے کی واضح دلیل ہے۔

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:۔

''یُرْشِدُ تَعَالٰی الْعُصَاةَ وَالْمُذْنِبِيْنَ اِذَا وَقَعَ مِنْهُمُ الْخَطَأُ وَالْعِصْيَانَ اَنْ يَّأْتُوْا اِلَى الرَّسُوْلِ ﷺ فَيَسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ عِنْدَهٗ وَيَسْاَلُوْهُ اَنْ يَّغْفِرَ لَهُمْ فَاِنَّهُمْ اِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَحِمَهُمْ وَغَفَرَ لَهُمْ وَلِهٰذَا قَالَ:۔ '' لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا''۔

اللہ تعالی گناہ گاروں اور خطا کاروں کو ارشاد فرماتا ہے کہ جب ان سے لغزش اور گناہ سرزد ہو جائیں تو وہ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں اور اللہ تعالی سے مغفرت طلب کریں اور حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بھی عرض کریں کہ وہ ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ پس جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالی ان پر نظر رحمت فرمائے گا اور ان پر رحمت و کرم کی بارش نازل فرمائے گا اور ان کے گناہ معاف فرما دے گا اسی لئے تو فرمایا: لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب ''الحکایات المشھورۃ'' میں عتبی سے روایت کیا ہے کہ میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے پاس بیٹھا تھا۔ایک بدو آیا اور عرض کی ''السلام علیك یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں نے سنا ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے ''ولو انھم اذظلمو لــ تواباً رحیما ۔ اور میں آپ کی بارگاہ اقدس میں اپنے گناہوں پر استغفار کرتا ہوا اور آپ کو اپنے رب کی بارگاہ میں سفارشی بناتا ہوا حاضر ہوا ہوں۔پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ أَعْظُمُهُ

فَطَابَ مِنْ طِيبِهِنَّ الْقَاعَ وَالْأَكَمُ

''اے وہ ذات جو کہ مدفون لوگوں میں سے سب سے بہتر ہے۔جن کے باعث میدان اور ٹیلے بہتر ہو گئے''۔

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ

فِيهِ الْعَفَافُ وَفِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ

''میری جان فدا ہے اس قبر پر جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہیں۔اسی میں ہی عفاف ہے اور اسی میں ہی جود و کرم ہے''۔

عتبی بیان کرتے ہیں کہ پھر وہ اعرابی لوٹ گیا اور مجھے نیند نے آلیا۔میں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

''يَا عُتْبِي اِلْحَقِ الْاِعْرَابِيَّ فَبَشِّرْهُ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَهٗ''

''اے عتبی! (اس) اعرابی سے مل اور اسے یہ مژدہ جانفزا سنا کہ اللہ تعالی نے اسے بخش دیا ہے''۔(کتاب الاذکار للنووی ج ۳ ص ۹۲)

تو پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ میں وسیلہ ہی کا حکم دیا جا رہا ہے اور یہ وسیلہ تا قیامت بنایا جا سکتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو اس کے لئے جواب عرض ہے کہ اس روایت

کو امام نووی نے اپنی کتاب ''الایضاح'' میں، شیخ ابو الفرج نے ''الشرح الکبیر'' میں اور شیخ منصور البھوتی نے ''کشاف القناع'' جو حنبلی مذہب کی معروف کتاب ہے میں نقل کیا ہے۔ اب سند کے اعتبار سے یہ روایت صحیح ہو یا ضعیف اس پر اکابرین نے اعتماد کیا ہے۔ اب خود ہی معترض جواب دے کہ کیا اکابر محدثین ومفسرین کرام نے کفر اور گمراہی کی بات نقل کی ہے یا بت پرستی کی دعوت دی ہے؟ (نعوذ باللہ) اگر ایسا ہی ہے تو پھر کس کو ثقہ قرار دیا جائے؟

(۴) هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ۔ (آیت ۳۸ رکوع ۱۲ سورۃ آل عمران پ ۳)

''وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے اپنی جناب سے پاک اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کو سننے والا ہے''۔

اگر اس آیت مبارکہ کو دل کی آنکھیں وا کر کے پڑھا جائے اور اس کے مفاہیم ومطالب سے آشنائی حاصل کی جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ آیت مبارکہ بھی امت مسلمہ کو وسیلہ کا درس دے رہی ہے ورنہ تو یہ ایک فسانہ ہی رہ جائے گا۔ اب اصل اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وسیلہ کا مفہوم کیسے نکل سکتا ہے۔ تو اس کا جواب قرآن نے لفظ ''ھنالك'' سے دے دیا۔

یہ لفظ اپنی ظاہری اور معنوی جامعیت کے ساتھ اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ ذرا مجھ پر غور تو کرو پتہ چلتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے حجرے کا خصوصی طور پر انتخاب کیا اور اپنی دعا کی قبولیت کے لئے بطور وسیلہ استعمال کیا۔ اسی لئے تو قرآن کریم نے اس دلکش ادا کو ''ھنالك'' کے لفظ کے ساتھ بیان فرمایا۔ اگر اس جگہ کا اس دعا کی قبولیت میں کوئی عمل دخل نہ ہوتا تو ''ھنالك'' کے لفظ کا یہ کوئی موقع محل نہ بنتا۔ پس ثابت ہوا کہ توسل انبیاء سے بھی ثابت ہے۔

(۵) اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا (پ ۱۳ آیت ۹۳ سورۃ یوسف) (حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا) میری یہ قمیص لے جاؤ۔ اور اسے میرے والد کے

چہرے پر ڈال دینا ان کی بصارت واپس آ جائے گی۔

اس آیت مبارکہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ جس چیز کو مقربین بارگاہ الٰہی سے نسبت ہو جاتی ہے اس سے توسل حاصل کرنا توحید کے منافی نہیں۔ کیونکہ وسیلہ کا طریقہ اختیار کرنے والے بھی نبی ہیں اور اس وسیلہ کو استعمال کرنے والے بھی نبی ہیں اور بیان کرنے والا قرآن پاک ہے۔

پس اس آیت مبارکہ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ غیر نبی سے بھی وسیلہ کرنا سنت انبیاء علیہم السلام ہے اور انبیاء معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں۔

زیادہ تفصیلی بحث سے احتراز کرتے ہوئے انہیں آیات مبارکہ پر اکتفا کرتے ہوئے اب احادیث مبارکہ سے توسل کے جواز کو ثابت کرنے کی طرف پیش قدمی کرتا ہوں۔

وسیلہ احادیث کی روشنی میں

قرب الٰہی کے حصول کے لئے ہی بندہ مومن وسیلہ کو اختیار کرتا ہے۔ یہی مومن کا مقصود حقیقی ہوتا ہے اب اسی مقصود کے حصول کی راہ بتلاتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث قدسی روایت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يَزَالُ عَبْدِىْ يَتَقَرَّبُ اِلَىَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ: فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِىْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِىْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِىْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِىْ يَمْشِىْ بِهَا۔ (صحیح بخاری شریف ج ۲ ص ۹۶۳) ''میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ پھر میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اور میں اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور میں اس کی ٹانگ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے''۔

پس ثابت ہوا کہ نوافل کا توسل حاصل کر کے ہی انسان اپنے رب کا قرب حاصل کرتا ہے کیونکہ اگر نوافل کا وسیلہ نہ ہوتا تو قرب الٰہی کا حصول ناممکن تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّمَا یَنْصُرُ اللّٰہُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ بِضَعِیْفِھَا بِدَعْوَتِھِمْ وَصَلَاتِھِمْ وَاِخْلَاصِھِمْ ۔ (سنن النسائی ج ۲ ص ۶۴) "اللہ تبارک وتعالی اس امت کی مدد، اس امت کے کمزور لوگوں کی دعاء، نماز اور اخلاص ہی کے سبب فرماتا ہے"۔

پس اس حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امت کے ضعیف افراد امت کی مدد اور نصرت کا وسیلہ بن جاتے ہیں اور انہی کے وسیلہ کے سبب ہی امت کی ڈوبتی ناؤ کو سہارا ملتا ہے

(۳) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: اَبْغُوْنِیْ الضَّعِیْفَ فَاِنَّکُمْ اِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِکُمْ ۔ (سنن النسائی ج ۲ ص ۶۴)

"مجھے (امت کے) کمزور لوگوں میں تلاش کرو۔ بے شک! کمزور لوگوں کے سبب ہی تمہیں رزق عطا کیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے"۔

گویا ضعیف وناتواں افراد کے وسیلہ ہی سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف نصرت وکامرانی سے نوازا جاتا ہے بلکہ ان پر رحمت وفضل کی بارش کر دی جاتی ہے۔ لہذا ان کے وسیلے سے مانگی گئی دعا بھی درجہ قبولیت پر فائز ہوتی ہے۔

(۴) اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ ۔ (متفق علیہ) "بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دینے والا ہے"۔

معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ تعالی کی نعمتیں تقسیم کرنے والے ہیں اور تقسیم کرنے والا وسیلہ ہوتا ہے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نعمت خداوندی کا ہمارے لئے وسیلہ ہیں۔

(۵) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَیْفٍ قَالَ اَنَّ رَجُلًا ضَرِیْرَ الْبَصَرِ اَتَی النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اُدْعُ اللّٰہَ اَنْ یُّعَافِیَنِیْ ۔ قَالَ اِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَاِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَھُوَ خَیْرٌ لَکَ قَالَ فَادْعُہُ قَالَ فَاَمَرَہُ اَنْ یَّتَوَضَّأَ فَیُحْسِنَ الْوُضُوْءَ وَیَدْعُوْا بِھٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِیُقْضٰی لِیَ اَللّٰھُمَّ

فَشَفِّعْهُ فِیَّ۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۹۷۔ اس حدیث کو ترمذی نے ابواب الدعوات میں۔ ابن ماجہ نے باب صلاۃ الحاجۃ ص ۹۹، حافظ نورالدین سبکی نے شفاء السقام میں ص ۱۶۵ پر، امام سیوطی نے خصائص کبری میں ص ۲۰۱ پر، امام قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب ج ۸ ص ۳۶۱ میں نقل کیا ہے)

"حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ایک نابینا شخص بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ تعالی سے میرے حق میں دعا فرمائیں کہ میری آنکھیں تندرست ہو جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا: اگر تو چاہے تو دعا کروں اور اگر تو چاہے تو صبر کر اور یہی تیرے لئے بہتر ہے۔ وہ بولا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ تعالی سے دعا فرمائیں۔ راوی کا فرمانا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکماً فرمایا: کہ اچھی طرح وضو کر اور یہ دعا مانگ "اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے جو نبی رحمت ہیں۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی اس حاجت میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہو رہا ہوں تا کہ وہ پوری کر دی جائے۔ یا اللہ میرے حق میں اپنے نبی کی شفاعت قبول فرما"۔ (سبحان اللہ)

حضور علیہ السلام سے یہ ہدایات حاصل کر کے وہ نابینا شخص مسجد میں گیا، وضو کر کے دو رکعتیں ادا کیں اور دعا کر کے واپس آیا تو اس کی دونوں آنکھیں نور کی روشنی سے یوں جگمگا رہی تھیں جیسے وہ کبھی نابینا تھا ہی نہیں۔

☆ مولوی اشرف علی تھانوی اس حدیث کے متعلق اپنی کتاب "نشر الطیب" میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے توسل صراحتاً ثابت ہے اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا فرمانا کہیں منقول نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے اسی طرح توسل، دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔ (نشر الطیب از مولوی اشرف علی تھانوی)

(۶) حضرت عبدالرحمن بن عمرہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں کبشہ انصاری نے

کہا: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ دَخَلَ عَلَیْهَا وَعِنْدَهَا قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَشَرِبَ مِنْهَا وَهُوَ قَائِمٌ فَقَطَعَتْ فَمَ الْقِرْبَةِ تَبْتَغِیْ بَرَکَةَ مَوْضِعِ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ۔ (سنن ابن ماجہ۔ص ۲۵۳، جامع الترمذی ج ۲ ص ۱۱) ''کہ نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے جبکہ اس کے پاس ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ پس آپ ﷺ نے اس سے کھڑے ہو کر پانی پیا۔ پس اس نے نبی کریم ﷺ کے دہن اطہر (کے لگنے) کی جگہ سے برکت حاصل کرنے کے لئے اس مشکیزہ کا منہ کاٹ کر رکھ لیا''۔

اس حدیث مبارکہ میں صراحۃً آثار صالحین سے توسل ثابت ہے۔ اور یہ فعل صحابیہ کی جانب سے انجام پذیر ہوا جن کے گمراہ ہونے کے بارے میں تصور تک ناممکن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وسیلہ پر صحابہ کا اجماع

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا طرز عمل حضرت ابوالجوزاء سے مروی ہے۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

أُنْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِیِّ ﷺ وَاجْعَلُوْا مِنْهُ کُوًی إِلَی السَّمَاءِ حَتّٰی لَا یَکُوْنَ بَیْنَهُ وَبَیْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا مَطَرًا حَتّٰی یَکُوْنَ بِنْتَ الْعُشْبِ وَسَمِنَتِ الْإِبِلُ حَتّٰی تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّیَ عَامَ الْفَتْقِ۔ سنن دارمی ج ۱ ص ۴۳، مشکوۃ شریف باب الکرامات ص ۵۴۵) ''کہ روضہ رسول ﷺ کو کھول دو اور آسمان کی طرف اس سے ایک سوراخ بناؤ۔ یہاں تک کہ قبر انور اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے۔ پس لوگوں نے ایسا کیا پس ان پر خوب بارش برسائی گئی۔ یہاں تک چارہ اگا، اونٹ موٹے ہو گئے گویا چربی سے بھر گئے اور اس سال کا نام'' عام الفتق ''پڑ گیا۔

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب لوگ قحط کا شکار ہوتے تھے تو آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور یوں کہتے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا ﷺ فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا۔

''اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں نبی پاک ﷺ کا وسیلہ پیش کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب فرمایا کرتا تھا اور اب ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں تو ہمیں سیراب فرما''۔

چنانچہ اس دعا کی برکت سے آسمان نے اپنے دھانے کھول دیئے۔اس قدر بارش ہوئی کہ تمام گڑھے پانی سے بھر گئے اور زمین سرسبز و شاداب ہوگئی۔

فَقَالَ عُمَرُ ھٰذَا وَاللّٰہِ الْوَسِیْلَۃُ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَالْمَکَانُ مِنْہُ۔

(بخاری شریف، ج ا باب الاستسقاء ص ۱۳۷، اس کے علاوہ حاکم نے مستدرک میں، امام عبدالرزاق نے مسند عبدالرزاق میں، ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں، ابن تیمیہ نے ''التوسل والوسیلۃ'' میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مقامات پر یہ حدیث درج ہے) ''پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! اللہ کے دربار میں وسیلہ اور مرتبہ اسی چیز کا نام ہے''۔

(۳) طبقات ابن سعد میں ہے: ایک مرتبہ دمشق میں بڑا قحط پڑا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن اسود جرشی رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور تمام اہلیان شہر کے ساتھ ان کے وسیلہ سے بارگاہ ایزدی میں دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَشْفِعُ اِلَیْکَ بِخَیْرِنَا وَاَفْضَلِنَا یَزِیْدِ بْنِ الْاَسْوَدِ۔

(مغنی ج ۲ ص ۴۳۹)

''اے اللہ! ہم تیرے دربار میں یزید بن اسود جرشی رضی اللہ عنہ کا وسیلہ پیش کرتے ہیں جو ہم میں افضل اور سب سے بہتر ہیں''۔

پس اسی وقت تیز ہوا کے ساتھ بارش ہونے لگی۔ یہاں تک کہ لوگوں کے لئے گھر پہنچنا مشکل ہوگیا۔

عقیدہ توسل اکابرین کی نظر میں

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فقہاء اربعہ میں ایک نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ایک دفعہ خلیفہ ابو جعفر منصور مدینہ منورہ آیا اور عرض کی:۔

''کیا میں دعا کرتے وقت قبلے کی طرف رخ کروں (اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کروں) یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کروں (اور قبلہ کی طرف پشت)''اس پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:''تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منہ کیوں پھیرتا ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے اور تمہارے جد اعلی حضرت آدم علیہ السلام کے لئے روز قیامت وسیلہ ہیں''۔

بجائے اس کے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا طالب ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے سامنے تیری شفاعت فرمائیں۔(کیونکہ) اللہ تعالی نے فرمایا ہے:ولو انھم اذ ظلموا۔۔۔توابا رحیما۔(الشفاء شریف ج ۲ ص ۵۹۶)

اس کے علاوہ امام قسطلانی نے المواھب اللدنیہ میں،علامہ سبکی نے ''شفاء السقام''میں،ابن حجر ہیثمی نے الجوہر المنظم میں بیان کیا ہے۔اس کے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر صحیح سند کے ساتھ اس کا ذکر ہے)

(۲) ابن تیمیہ

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب''قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ''میں آیت مبارکہ ''یایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ''کے تحت لکھتے ہیں:''اللہ تبارک وتعالی کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرنا،صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور اتباع کی وجہ سے ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کی وجہ سے یہ توسل ہر ایک پر اور ہر حال میں فرض ہے۔ظاہرا و باطنا بھی،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بھی اور بعد از وفات بھی،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی اور غیبت میں بھی''۔پھر آگے چل کر تحریر کرتے ہیں:''اور اللہ تبارک وتعالی کی رحمت تک

رسائی کے لئے اور اس کے عذاب سے بچنے کے لئے صرف اور صرف آپ ﷺ پر ایمان اور آپ کی اطاعت کو وسیلہ بنانے کا راستہ ہے"۔ (قاعدہ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ ص ۶۶۵)

(۳) مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کا علم وحکمت، تصوف وشعر میں ایک نمایاں مقام ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ عشق رسالت ﷺ کی کسک اور والہانہ کیفیت آپ کے اشعار سے واضح جھلکتی ہے۔

توسل کے بارے میں اپنے عقیدے کا اظہار کچھ اس طرح فرماتے ہیں:

اگر نام محمد رانیاوردے شفیع آدم　　نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح ازغرق نجینا

اگر آدم علیہ السلام حضور نبی رحمت ﷺ کے اسم مبارک کا وسیلہ پیش نہ کرتے تو نہ ہی آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوتی اور نہ نوح علیہ السلام (کی کشتی) غرق ہونے سے محفوظ رہتی"۔

(۴) امام احمد شہاب الدین ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ:۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، ابوعبداللہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی مشاہدہ کو اپنی کتاب الفتاوی الحدیثیہ میں نقل فرماتے ہیں۔اور انہوں نے ثابت کیا کہ مردان حق بعد از وصال بھی فیض پھیلاتے ہیں اور اس فیض رسانی میں کسی قسم کی کمی نہیں آنے پاتی۔

حضرت ابوعبداللہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مصر کو قحط سالی نے آلیا اور باوجود دعا واستغفار کے قحط سالی ختم ہونے میں نہ آئی۔فرماتے ہیں:

"فَسَافَرْتُ اِلَى الشَّامِ فَلَمَّا وَصَلْتُ اِلٰى قَرِيْبِ ضَرِيْحِ الْخَلِيْلِ عَلَيْهِ وَعَلٰى نَبِيِّنَا اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ تَلَقَّانِيْ۔ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِجْعَلْ ضِيَافَتِيْ عِنْدَكَ الدُّعَاءَ لِاَهْلِ مِصْرَ فَدَعَا لَهُمْ فَفَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ"۔ (الفتاوی الحدیثیۃ ج ۶ ص ۲۵۵)

"پس میں نے شام کی طرف سفر اختیار کیا، پس جب میں حضرت ابرہیم علیہ السلام کی قبر انور کے قریب پہنچا تو آپ (آگے سے) مجھے ملے۔پس میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ اپنی طرف سے میری مہمان نوازی کچھ اس طرح فرمائیں کہ اہل مصر کے لئے دعا فرماویں۔پس

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے دعا فرمائی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے (اس مصیبت کو) ان سے دور فرمادیا"۔

اسی واقعہ کی تائید میں حضرت امام یافعی کچھ اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

فَقَوْلُهُ تَلَقَّانِي الْخَلِيْلُ قَوْلٌ حَقٌّ لَا يُنْكِرُهُ إِلَّا جَاهِلٌ بِمَعْرِفَةِ مَا يَرِدُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْأَحْوَالِ الَّتِي يُشَاهِدُوْنَ فِيْهَا مَلَكُوْتَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَنْظُرُوْنَ الْأَنْبِيَاءَ أَحْيَاءً غَيْرَ أَمْوَاتٍ۔ (الفتاوى الحديثية ج٦ ص٢٥٦) "کہ ان کا یہ فرمان کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مجھے ملے یہ ایک ایسا قول ہے جو سچ ہے اور اس کا انکار صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو اولیاء اللہ کے ان احوال کی معرفت سے نابلد ہو جو کہ زمین وآسمان کا مشاہدہ کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کو بالکل زندگی کی حالت میں دیکھتے ہیں"۔

(۵) امام ابو محمد عبداللہ بن حسین قرطبی:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک کے متعلق فرماتے ہیں:

وَنَعْلٍ خَضَعْنَا هَيْبَةً لِبَهَائِهَا ۔۔۔ وَأَنَا مَتٰى نَخْضَعُ لَهَا أَبَدًا نَعْلُوْ

فَضَعْهَا عَلٰى أَعْلَى الْمَفَارِقِ إِنَّهَا ۔۔۔ حَقِيْقَتُهَا تَاجٌ وَصُوْرَتُهَا نَعْلٌ

سبحان اللہ! کیسے ہی وہ نعلین پاک ہیں کہ جن کی شان وشوکت کی ہیبت کی وجہ سے ہم نے سر تسلیم خم کیا۔ اور حال یہ ہے کہ جب بھی ہم ان کی وجہ سے سر خم کرتے ہیں تو ہم از روئے مرتبہ بلند ہو جاتے ہیں۔ پس اس لئے انہیں بلند ترین جگہ پر رکھ کیونکہ حقیقت میں تو وہ (سروں کے) تاج ہیں اور (اگرچہ) دیکھنے میں جوتے ہیں"۔

مولوی محمد زکریا کاندھلوی لکھتے ہیں:

"نعل شریف کے برکات وفضائل مولوی اشرف علی تھانوی کے رسالہ "زاد السعید" کے اخیر میں مفصل مذکور ہیں۔ جس کو تفصیل مقصود ہو اس میں دیکھ لے۔ مختصر یہ کہ اس کے خواص بے انتہاء ہیں، علماء نے بار بار تجربے کئے ہیں۔ اسے اپنے پاس رکھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میسر ہوتی

ہے، ظالموں سے نجات حاصل ہوتی ہے، ہر دلعزیزی میسر ہوتی ہے، غرض ہر مقصد میں اس کے توسل سے کامیابی ہوتی ہے۔ طریق توسل بھی اسی میں مذکور ہے۔ (شمائل ترمذی مع اردو شرح فضائل نبوی ص ۷۷)

وسیلہ اولیاء:

سورۃ کہف میں اللہ تعالیٰ نے حضرات خضر وموسیٰ علیہم السلام کے ذریعے دو یتیم بچوں کی دیوار جو گر رہی تھی اور جس کے نیچے ان کا مال دفن تھا بلا معاوضہ تعمیر کرانا گویا اس امر کا باعث تھا کہ "وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا" یعنی ان کا باپ نیک آدمی تھا۔

تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے "ابو هما" سے مراد ان کا باپ نہیں تھا بلکہ بچوں کی ساتویں یا دسویں پشت کا بزرگ تھا۔ اس ولی اللہ سے نسبت کے باعث اللہ تعالیٰ نے اپنے دو جلیل القدر مقبول بندے بھیجے اور دیوار کی مرمت کروائی۔ (روح المعانی)

مقبولان حق کی دعا وسیلۂ مغفرت:

(۱) مسلم شریف میں ہے:

خَيْرُ التَّابِعِيْنَ اُوَيْسُ الْقَرْنِي فَمُرُوْهُ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ (اَوْكَمَا قَالَ عليه الصلوة والسلام) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اویس قرنی رضی اللہ عنہ سب تابعین میں سے بہتر ہیں۔ جب ان سے ملاقات ہو جائے تو ان سے اپنے گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا طلب کرو۔ (مسلم شریف)

(۲) ترمذی شریف، ابن ماجہ، دارمی اور مشکوۃ شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِيْ اَكْثَرُ بَنِيْ تَمِيْمٍ۔ یعنی میرے ایک امتی کی شفاعت سے بنو تمیم قبیلہ سے زیادہ آدمی جنت میں جائیں گے۔

اس حدیث کے تحت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مرقاۃ میں لکھتے ہیں:

قِيْلَ الرَّجُلُ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ قِيْلَ اُوَيْسُ قَرَنِيٌّ وَقِيْلَ غَيْرُهٗ۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف از ملا علی قاری)

"بعض علماء نے فرمایا ہے وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں، بعض نے فرمایا: وہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں اور بعض نے کہا کوئی اور بزرگ ہیں"۔

اولیاء کے وسیلہ سے بارش اور فتح ونصرت

(۱) مشکوۃ شریف اور مسند امام احمد میں حضرت ابن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"اَلْاَبْدَالُ یَکُوْنُوْنَ بِالشَّامِ وَھُمْ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ رَجُلاً۔ یُسْقٰی بِھِمْ وَالْغَیْثُ وَیُنْتَصَرُ بِھِمْ عَلَی الْاَعْدَاءِ۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۸۳)

"ابدال چالیس ہوتے ہیں جو ملک شام میں رہتے ہیں۔ ان میں سے جب بھی کوئی فوت ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی اور کو مقرر کر دیتا ہے۔ ان ہی کی برکت و وسیلہ سے بارش برستی ہے اور دشمنوں پر فتح نصیب ہوتی ہے"۔

(۲) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا: مَنْ اِسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعٌ وَعِشْرِیْنَ مَرَّۃً کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ یُسْتَجَابُ لَھُمْ وَیُرْزَقُ بِھِمْ اَھْلَ الْاَرْضِ ۔ (مجمع الزوائد۔ ج ۲ ص ۲۱۰)

جو شخص اہل ایمان مرد و عورت کے لئے ہر روز ستائیس بار استغفار کرے وہ ان مقبول لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جن کی دعا قبول ہوتی ہے اور جن کی برکت سے اہل زمین کو رزق دیا جاتا ہے"۔

☆ یہ دعا یوں کرنی چاہئے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔

مشکل میں اولیاء کو پکارنا:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں مشکوۃ شریف کے حوالہ سے لکھا ہے:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَاِذَا اَصَابَ اَحَدَکُمْ جُرْحَۃٌ بِاَرْضٍ مُلَاۃٍ فَلْیُنَادِ اَعِیْنُوْا یَا عِبَادَ اللّٰہِ ، اَعِیْنُوْا یَا عِبَادَ اللّٰہِ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ۔ (تفسیر کبیر از امام فخر الدین رازی ج ۱ ص ۱۶۳، کتاب الاذکار از امام نووی)

"حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص جنگل میں مصیبت کا شکار ہو تو ندا کرے، میری مدد کرو اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو خدا تم پر رحم فرمائے"۔

امام نووی کتاب الاذکار میں اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ میرے بعض مشائخ نے جو علم میں اکابر ہیں، کہا: ان کا خچر جنگل میں گم ہو گیا، انہیں یہ حدیث معلوم تھی۔ انہوں نے

اس پر عمل کرتے ہوئے پکار کر کہا: یاعبادالله أعینونی، یاعبادالله أعینونی ،یاعباد الله أعینونی !تو فوراً خدا تعالیٰ نے اس کو واپس بھیج دیا۔

میں (امام نووی) ایک مرتبہ ایک جماعت کے ہمراہ تھا تو جنگل میں جہاں کوئی واقف نہ تھا ایک جانور گم ہو گیا۔ میرے ساتھی اسے تلاش کر کر کے تھک گئے۔ تو میں نے پکار کر کہا: یاعبادالله أعینونی، یاعبادالله أعینونی ،یاعباد الله أعینونی ۔تو فوراً کسی ظاہری سبب کے بغیر وہ کھویا ہوا جانور ہمیں واپس مل گیا۔

وسیلہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور زمانہ قول ہے: "اِنِّی لَاَ تَبَرَّكُ بِاَبِی حَنِیْفَةَ وَاَجِیْءُ اِلٰی قَبْرِہٖ فَاِذَا عَرَضَتْ لِی حَاجَةٌ صَلَّیْتُ رَكْعَتَیْنِ وَسَأَلْتُ اللّٰهَ عِنْدَ قَبْرِہٖ مُتَقَضّٰی سَرِیْعًا"۔ (شامی ج ۱ ص ۵۱، تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۲۳، الخیرات الحسان ابن حجر مکی ص ۱۴۴)

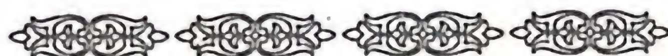
"تحقیق میں برکت حاصل کرتا ہوں امام ابو حنیفہ سے، آتا ہوں ان کی قبر پر جس وقت مجھے حاجت درپیش ہوتی ہے۔ تو دو رکعت نماز نفل پڑھتا ہوں، اور ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، فوراً حاجت پوری ہوتی ہے۔

حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

احناف کے ایک اور مستند اور معتبر عالم ملا علی قاری اپنی کتاب نزھۃ الخاطر الفاطر میں حضور غوث الاعظم کا قول نقل فرماتے ہیں۔

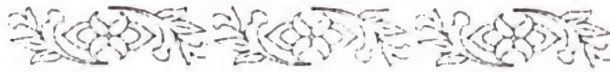
"مَنْ اِسْتَغَاثَ لِی فِی كُرْبَةٍ كُشِفَتْ عَنْهُ وَمَنْ نَادَانِی بِاِسْمِی فِی شِدَّةٍ فُرِّجَتْ عَنْهُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِی اِلَی اللّٰهِ فِی حَاجَةٍ قُضِیَتْ"۔ (نزھۃ الخاطر الفاطر فی ترجمۃ شیخ عبد القادر ص ۶۱)

"جو کوئی مصیبت میں مجھ سے مدد مانگے تو وہ مصیبت اس سے دور ہو گی۔ جو تکلیف میں میرا نام لے کر پکارے تو تکلیف رفع ہو گی۔ اور جس نے کسی حاجت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجھے وسیلہ بنایا تو وہ حاجت پوری ہو گی"۔

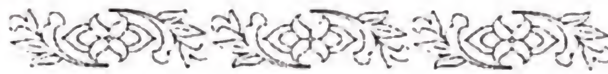


اِنّ النبی ﷺ قبّل عثمان بن مظعون (الحدیث)

اِنّ ابابکرٍ قبّلَ النبی ﷺ وھُوَ میّتٌ (الحدیث)



ہاتھ، پاؤں، تبرکات اور مزارات کا چومنا



تیرے سنگِ آستاں کے نہ میری جبیں لائق

یہ تیرا کرم ہے پھر بھی تیرے در تلک رسائی

ہاتھ، پاؤں، تبرکات اور مزار کا چومنا

وہ مسائل جو دور حاضر میں متنازع ٹھہرے ہیں بزرگوں کے ہاتھ اور پاؤں چومنے کا مسئلہ بھی انہیں میں شامل ہے۔اس کا انکار کرنے والے بھی دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ایک وہ جنہیں قدرت نے من یضلله فلا هادی له کا مصداق بنایا ہے۔انہیں تو کسی ثبوت یا دلیل کا فائدہ نہیں ہوسکتا۔البتہ دوسرا گروہ جو محض غلط فہمی میں مبتلا ہے اسے واقعہ ثبوت یا دلیل راہ راست پر لا سکتی ہے۔ان کے لئے عرض ہے کہ صالحین کے ہاتھ، پاؤں، تبرکات اور مزار کا بوسہ لینا ایک مستحسن عمل ہے۔جو حضور ﷺ، خلفائے راشدین، اہل بیت پاک، صحابہ کرام اور آئمہ محدثین رحمہم اللہ سے ثابت ہے قارئین کے ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے بغیر کسی طوالت کے ہر موضوع پر الگ الگ احادیث مبارکہ، صحابہ کرام، اہل بیت عظام، خلفائے راشدین اور آئمہ ومحدثین کے طرز عمل کو بیان کرتے ہیں جو باحوالہ انتہائی معتبر و مستند ہوں گے۔اس موضوع پر تنقید کی سب سے بڑی حجت یہ پیش کی جاتی ہے کہ یہ سجدہ کے زمرے مین آتا۔اس لئے سب سے پہلے سجدہ کی شرعی تعریف تحریر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سجدہ:

شریعت مطہرہ ﷺ میں سجدہ کی تعریف: سجدہ کے وقت سات اعضاء کا زمین پر لگنا ہے۔جیسا کہ کتب احادیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ الباری نے صحیح بخاری میں باب السجود علی سبعة اعضاء کا باب باندھ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت درج کی ہے کہ اُمِرَ النَّبِیُّ ﷺ اَنْ یَّسْجُدَ عَلٰی سَبْعَةِ اَعْضَاءٍ۔
(صحیح البخاری۔ص۹۴ مطبوعہ مصر۔طبرانی شریف ج۱ص۳۲)

نبی پاک ﷺ نے حکم فرمایا کہ سجدہ سات اعضاء پر کیا جائے۔

(۱) امام ابوعیسی ترمذی رحمۃ اللہ القوی نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ:۔

أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ إِذَا سَجَدَ الْعَبْدُ سَجَدَ مَعَهُ سَبْعَةُ آرَابٍ وَجْهُهُ وَكَفَّاهُ وَرُكْبَتَاهُ وَقَدَمَاهُ۔

(منتخب الصحیحین من کلام سید الکونین ص ۲۰، ترمذی شریف ص ۳۷ ج ا مطبوعہ دہلی نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ص ۸۰ مسانید امام اعظم)

انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب بندہ سجدہ کرے تو اس کے سات اعضاء چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں بھی اس کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی کی اور فرمایا: ان یسجد علی سبعة اعضاء۔ (مسانید امام اعظم ج ا ص ۳۹۶ مطبوعہ حیدر آباد دکن) کہ سجدہ سات اعضاء سے کریں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْاِنْسَانُ يَسْجُدُ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْضَاءٍ جَبْهَتِهٖ وَيَدَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَصُدُوْرِ قَدَمَيْهِ فَاِذَا سَجَدَ اَحَدُكُمْ فَلْيَضَعْ كُلَّ عُضْوٍ مَوْضِعَهٗ۔ (جامع مسانید امام اعظم ج ا ص ۴۰۱ طبرانی شریف ص ۳۶) کہ انسان جب سجدہ کرے سات اعضاء یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں کے اگلے حصوں کے ساتھ تو اس کو چاہیے کہ ہر عضو کو اپنی اپنی جگہ پر رکھے۔

امام اجل امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ روایت درج کرتے ہیں کہ: اَلسُّجُوْدُ علی سبعةِ اعضاءِ الیدینِ والقدمینِ والرکبتینِ والجبهةِ۔ (جامع صغیر ج ۲ ص ۳۷ مطبوعہ مصر)

سجدہ سات اعضاء، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں گھٹنوں اور پیشانی سے ہوتا ہے۔

عارف باللہ الشیخ محمد امین الکروی الاربلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَلسُّجُوْدُ عَلَى الْاَعْضَاءِ السَّبْعَةِ الَّتی هی الجبهةُ والرکبتانِ وباطنا الکفّینِ واطرافُ بُطُوْنِ اصابعِ القدمین وان یَّکُوْنَ السّجودُ علی الاعضاءِ السَّبْعَةِ فی آنٍ واحدٍ۔ (تنویر القلوب فی معاملة علام الغیوب ص ۱۳۴ مطبوعہ مصر)

سجدہ سات اعضاء جو کہ پیشانی، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں کی انگلیوں کے کنارے لگانے سے ہوتا ہے۔اور سجدہ سات اعضاء پر ایک ہی وقت میں ہونا چاہئے۔

غیر مقلدین کے مستند عالم مولوی سلیمان منصور پوری بھی سجدہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ (سجدہ) اصطلاح شریعت محمدیہ میں پیشانی اور ناک کو زمین پر لگانا ہے اس طرح سے کہ دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کی انگلیاں بھی زمین سے لگی ہوئی ہوں، رانیں پیٹ سے الگ ہوں اور بازو پہلوؤں سے الگ، اس اصطلاح کو اب حقیقت شرعیہ کہا جاتا ہے۔(الجمال والکمال ص ۵۲)

☆سجدہ اور تعظیم میں فرق:

وعن ابن خزیمة بن ثابت عن عمه ابی خزیمة انه رای فیما یری النائم انه سجد علی جبهة النبی ﷺ فاخبره فاضطجع له وقال صدق رؤیاك فسجد علی جبهته۔ (مشکوۃ شریف، ج ۲، کتاب الرؤیا، ص ۳۸۷، مطبوعہ فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور)

ابن خزیمہ بن ثابت سے روایت ہے کہ ان کے چچا حضرت ابو خزیمہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی مبارک پیشانی پر سجدہ کر رہے ہیں۔آپ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ لیٹ گئے اور فرمایا: اپنا خواب سچا کرلو۔چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کی مبارک پیشانی پر سجدہ کیا۔

نوٹ:۔یہاں بھی سجدہ کی شرائط پوری نہیں ہوتیں بلکہ مراد تعظیم ہے۔

ایک اہم نکتہ:

سجدہ میں نیت کا بھی دخل ہے۔ایک شخص یوں سجدہ کی شکل میں ہے جبکہ اس کی نیت، قیام، رکوع اور سجود کی نہیں تو کیا اس کو اس کا ثواب ملے گا؟ ہرگز نہیں۔کیونکہ ثواب حاصل کرنے کے لئے نیت شرط ہے۔حضور پرنور ﷺ کا بھی فرمان ہے:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔(متفق علیه) یعنی اعمال کے ثواب کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی اَجْسَامِكُمْ وَلَا اِلٰی صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِكُمْ۔

(صحیح مسلم شریف، الترغیب والترھیب للمنذری ص ۲۴) بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کی نیتوں کو دیکھتا ہے۔

ہاتھ اور پاؤں چومنے کا ثبوت

(۱) سرکار دو عالم ﷺ کا طرز عمل: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور پاک ﷺ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ فاخذت بیدہٖ وقبلتہٗ واجلستہٗ فی مجلسِھَا۔ اور آپ کا ہاتھ مبارک تھام کر چوم لیتیں اور اپنے بیٹھنے کی جگہ پر بٹھاتیں۔ پھر جب حضرت فاطمۃ الزہراء حضور اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے۔ واخذ بیدھا واجلسھا فی مجلسہ۔ اور ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ (ادب المفرد امام بخاری ص ۱۳۸، ابوداؤد شریف ص ۲۱۸ ج ۲، مشکوۃ شریف ص ۴۰۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ: حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فَقَبَّلْنَا یَدَہٗ۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔ (ابوداؤد شریف۔ ج ۲ ص ۲۱۸ ادب المفرد۔ امام بخاری ص ۱۴۴ مطبوعہ مصر)

(۲) حضرت اشج رومی رضی اللہ عنہ: حضرت مزیدۃ العبدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اشج رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے حَتّٰی اَخَذَ بیدہِ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فقبّلھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے دست رحمت کو تھام کر چوما تو آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ فیك لخُلقَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ۔ تم میں دو عادتیں ایسی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہیں۔ (ادب المفرد از امام بخاری ص ۸۶ مطبوعہ مصر)

قارئین محترم! مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ پاؤں چومنا نہ فعل قبیح ہے نہ ہی شرک وبدعت بلکہ ایک ایسا مستحسن عمل ہے جس کی تحسین خود آقائے کائنات ﷺ نے بھی فرمائی

ہے۔

(۳) حضرت مزیدۃ العصری: حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مزیدۃ العصری رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں: اَتَینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فَنَزلتُ الیہِ فقبّلتُ یَدَہٗ۔

(تاریخ الکبیر از امام بخاری ج ۸ ص ۳۱ مطبوعہ بیروت)

ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہو کر آپ کے دست اقدس کو چوم لیا۔

(۴) حضرت وازع رضی اللہ عنہ: حضرت وازع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم وفد عبدالقیس میں تھے۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو ہم نے اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کی: فـنـقـبّـلُ یَـدَ رسـول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجلَہٗ۔ (رواہ ابوداؤد باب المصافحہ والمعانقہ قدیمی کتب خانہ کراچی) (مشکوۃ شریف ص ۴۰۲) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔

(۵) حضرت وازع بن عامر رضی اللہ عنہ: حضرت وازع بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے مگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ سے ناآشنا تھے تو کسی نے ہم سے کہا: ذاك رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ اللہ تعالی کے رسول ہیں۔ فَاَخَذْنَا بِیَدَیْہِ وَرِجْلَیْہِ فَقَبَّلْنٰھُمَا۔ تو ہم نے حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ اور پاؤں کو پکڑ کر بوسہ دیا۔ (ادب المفرد از امام بخاری ص ۱۴۴)

(۶) حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ: حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو یہودیوں نے سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سوال کئے تو محبوب رب کائنات نے ان کے جواب ارشاد فرمائے تو ان یہودیوں نے جواب سن کر فَقَبَّلَا یَدَیْہِ وَرِجْلَیْہِ آپ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا اور عرض کیا: نشھد اَنَّكَ نَبِیٌّ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ (رواہ الترمذی کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی، مشکوۃ شریف ص ۱۷، کتاب الاذکار للنووی ج ۲ ص ۲۷۱)

(۷) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ: شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف لطیف "مدارج النبوۃ" میں ایک روایت درج فرماتے ہیں کہ اسامہ رضی اللہ عنہ ۱۱ ربیع الاول شریف کو آقائے نامدار، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سراپا عظمت میں اپنے لشکر سمیت رخصتی کی اجازت حاصل کرنے کے ارادہ سے حاضر ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے ہو گئے اور اپنے سر کو جھکا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔ (مدارج النبوۃ فارسی ج ۲ ص ۴۸۶)

عداس کا عمل: عداس نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور ہاتھوں اور پاؤں مبارک کو جھک کر بوسہ دیا۔ اس پر ربیعہ کے دو بیٹوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخصیت کے سامنے تیرے غلام کی عقل ختم ہو گئی ہے۔ تو اس نے جواب میں کہا: یاسیدی مافی الارض خیر من ھذا الرجل لقد اخبرنی بأمر لا یعلمہٗ اِلَّا نبیٌّ۔ اے میرے سردار! زمین پر اس شخص سے بہتر کوئی شخصیت نہیں ہے۔ اس ہستی نے مجھے وہ خبر دی ہے کہ جس کو صرف نبی ہی جانتا ہے۔ (کتاب الوفا باحوال المصطفیٰ ج ۱ ص ۲۱۴ مطبوعہ مصر)

ایک عورت کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک چومنا:

امام جلال الدین سیوطی اپنی معرکۃ الآرا تصنیف خصائص الکبری میں رقمطراز ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے اپنے خاوند کی شکایت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کی تو حبیب رب العالمین رحمۃ اللعالمین محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تو اس پر ناراض رہتی ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں! تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم اپنے سروں کو ایک دوسرے کے قریب کرو۔ تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے سروں کو اس طرح ملایا کہ عورت کی پیشانی خاوند کی پیشانی سے ملی۔ اور دعا فرمائی۔ اے اللہ! ان دونوں میں الفت و محبت پیدا فرما دے۔ ان کی ایک دوسرے ساتھی سے محبت پیدا فرما دے۔ کچھ عرصہ بعد وہ عورت نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ فَقَبَّلَتْ رِجْلَیْہِ۔ تو آپ کے مبارک پاؤں کو بوسہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اور تمہارا خاوند کیسے ہو؟ تو اس نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! نہ وہ

بچوں کی طرح ہے اور نہ ہی بڈھوں کی طرح ہے اور اسے مجھ سے زیادہ کوئی بچہ بھی محبوب نہیں۔ یعنی وہ مجھ سے نہایت اچھا سلوک کرتا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: أشھد انّی رسولُ اللّٰہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ تو حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا: اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (خصائص الکبری ج ۳ ص ۸۶ سطر ۵ تا ۹)

ایک اعرابی کا رسول معظم ﷺ کے ہاتھ، پاؤں چومنا:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخت کو پاس بلانے کا معجزہ طلب کیا۔ آپ کے حکم سے درخت حاضر ہو گیا اور آپ ﷺ پر سلام پڑھنے لگا۔ پھر اعرابی نے واپس بھیجنے کے لئے کہا۔ آپ کے حکم سے درخت واپس آ گیا تو اعرابی نے عرض کیا: اِءْذن لی ان اُقبّلَ یَدَیْکَ وَرِجْلَیْکَ فَاَذِنَ لَہٗ ۔ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دوں۔ تو حضور ختم الرسل ﷺ نے اسے اجازت عنایت فرمائی۔ (شفاء شریف۔ ج ا ص ۱۹۶، شامی شریف ج ۵ تنویر القلوب از علامہ الکردی ص ۱۹۹)

دو یہودیوں کا سرکار دو عالم ﷺ کے دست و پا کو چومنا:

حضرت صفوان بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی کو کہا کہ آؤ اس نبی سے ولقد آتینا موسی تسع آیات بینات ۔ کے متعلق پوچھیں۔ پس ان دونوں نے نبی پاک ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے ان کو جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو اور اسراف نہ کرو، زنا نہ کرو، کسی نفس کو قتل نہ کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے مگر حق کے ساتھ، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، کسی بری کو لے کر غلبے والے کے پاس نہ جاؤ کہ وہ اس کو قتل کر دے۔ کسی پر الزام نہ دو۔ پاکدامن عورت کو خصوصا ہفتہ کے روز تجاوز نہ کرو، ان دونوں یہودیوں نے سن کر فقبّلا یَدَہٗ ورجلہٗ وقالا نشھدُ انّکَ نَبیٌّ ۔ حضور پرنور ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا

:ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔(حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۱۷، ۱۱۸، مطبوعہ مصر)

یارسول اللہ ﷺ تمہاری نسبت کی تو خالق کائنات بھی قدر فرماتا ہے:

فتح مکہ کے وقت آنحضور ﷺ ایک کافرہ عورت کے مکان کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے تھے۔ عورت نے دشمنی کی وجہ سے اپنے مکان کی کھڑکیاں تک بند کردیں تاکہ آپ ﷺ کی آواز مبارکہ اس کے کانوں تک نہ پہنچے۔ پس جبرائیل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی حضور! یہاں نہ کھڑے ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس عورت کے ساتھ تمہارا ایسا رویہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ جبرائیل علیہ السلام واپس گئے اور دوبارہ لوٹے تو عرض کی اللہ تعالیٰ کا آپ پر سلام ہو۔ اگرچہ عورت کافرہ تھی لیکن اس کی دیوار کے ساتھ سائے میں آپ کے ٹیک لگانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ معاف کردیئے۔

وَقَدْ فَتَحْنَا اَبْوَابَ السَّمَاءِ وَاَبْوَابَ قَلْبِهَا فَبَادَرَتِ الْمَرْاَةُ فِى الْحَالِ تفتح الدَّارَ وقبلت قَدَمَ النَّبِيِّ ﷺ۔ (نزھۃ المجالس، ج ۲ ص ۶۹ مطبوعہ مصر)

ہم نے آسمانوں اور اس کے دل کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ پس جلدی سے وہ عورت باہر آئی اور آپ ﷺ کے مبارک قدموں کو بوسہ دیا۔

کیا خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے ہاتھ چومتے تھے؟

قبل ازیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی مکرم ﷺ کے دست و پا کو چومنے کا ثبوت پیش کیا گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس حوالے سے آپس میں کیا رویہ تھا؟ رقم کئے جاتے ہیں چند مستند و معتبر حوالہ جات، پڑھئے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجئے۔

حضرت علی شیر خدا اور حضرت عباس عم مصطفیٰ، رضی اللہ عنہما:

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رایت علیا یقبل یدی العباس ورجلیہ۔ کہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ کو حضرت عباس کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا۔ (ادب المفرد از امام بخاری ص ۱۹۵، مقیاس حقیقت ص ۶۰۰)

حضرت عمر فاروق اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما: حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مبارک پر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے بوسہ دیا۔ (کیمیائے سعادت فارسی ص ۱۹۴ سطر نمبر ۷ مطبوعہ دہلی۔ عوارف المعارف ص ۱۹۰ سطر نمبر ۱۷ اور ۱۸ (اس روایت کو عبدالوہاب نجدی کے بیٹے عبداللہ نے اپنے فتاویٰ میں درج کیا ہے۔ مجموعۃ الرسائل والمسائل النجدیہ ج ۱ ص ۸۴)

حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

شیخ الاسلام ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن القشیری، شیخ المحدثین عبدالحق محدث دہلوی شیخ الاسلام ابن حجر مکی علامہ یافعی علیہ الرحمہ نے اپنی اپنی مستند کتب میں ایک روایت درج کی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سوار ہونے لگے تو سیدنا عبداللہ بن عباس نے ادباً عرض کیا کہ اے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان کے صاحبزادے آپ ٹھہر جائیں یعنی رکاب کو نہ پکڑیں۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ علماء کی تعظیم کریں۔ تو یہ سن کر فَاَخَذَ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ یَدَابن عَبَاسٍ فَقَبَّلَھَا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کا ہاتھ مبارک پکڑ کر اس کو بوسہ دیا اور عرض کیا: ہم کو بھی اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی تعظیم کریں۔ (محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بیٹے عبداللہ نے بھی اس روایت کو اپنے فتاویٰ میں درج کیا ہے) (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۸۴)

حضرت انس اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہما:

حضرت ثابت نے حضرت انس سے پوچھا! کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو چھوا ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں! تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ چوم لیا۔ (ادب المفرد للبخاری ص ۱۴۴ سطر ۴)

حضرت سلمہ بن اکوع اور عبداللہ بن رزین رضی اللہ عنہما:

حضرت عبداللہ بن رزین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم مقام دبذہ سے گزر رہے

تھے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ یہاں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ مقیم ہیں۔ ہم نے ان کی خدمت میں حاضری دی اور ان کو سلام عرض کیا۔

فَاَخْرَجَ یَدَیْہِ فَقَالَ بَایَعتُ بِھَاتَین نبی اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَخْرَجَ کَفًّالَہٗ ضخمۃ کَاَنَّھَا کَف بعیر فقمنا اِلَیھَا فَقَبَّلْنَاھَا۔ (ادب المفرد للبخاری ص ۱۴۴ سطر ۱ تا ۳ مطبوعہ تنویر القلوب ص ۲۰۰) تو انہوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے اور فرمانے لگے کہ میں نے ان ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی آپ نے اپنی ہتھیلی سامنے کی جو اونٹ کے پنجے کی طرح بھاری اور گداز تھی۔ ہم کھڑے ہوئے اور اس کو چوم لیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

فقیہ ابو اللیث سمرقندی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق مروی ہے کہ جب وہ اپنے سفر سے واپس آتے تو ایک دوسرے سے معانقہ کرتے اور ایک دوسرے کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔ (بستان العارفین عربی برحاشیہ تنبیہ الغافلین ص ۱۶۰ مطبوعہ مصر) حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت انس کی ام ولد تھیں روایت کرتی ہیں کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا معمول تھا۔ جب حضرت انس کے ہاں آتے تو وہ اپنی لونڈی کو فرماتے کہ میرے لئے خوشبو لاؤ تا کہ میں اپنے ہاتھوں کو لگاؤں کیونکہ ام ثابت کا بیٹا جب تک میرے ہاتھ کو بوسہ نہ دے لے خوش نہیں ہوتا۔ (مجمع الزوائد ج ا ص ۱۳۰ سطر ۱ تا ۳)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت آکر سلام کیا جب ان کی بصارت ختم ہو چکی تھی۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور پوچھا آپ کون ہیں؟ میں نے کہا: محمد بن علی بن حسین ہوں۔ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے بیٹے میرے قریب آ! میں قریب ہوا تو انہوں نے میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور میرے پاؤں چومنے

ہی لگے تھے کہ میں ذرا پیچھے ہو گیا تو انہوں نے فرمایا: سرکار دو عالم ﷺ نے آپ پر سلام بھیجا ہے میں نے ان سے کہا حضور پر نور ﷺ پر بھی صلوۃ وسلام ہو اور اللہ تعالی کی برکت اور رحمت ہو۔ پھر میں نے پوچھا کہ اے جابر! آپ پر یہ سب کچھ کیونکر ہوا؟ حضرت جابر نے کہا: ایک دن میں حضور پر نور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ نے مجھے فرمایا: اے جابر شاید تمہاری ملاقات میرے ایک فرزند سے ہو کہ جس کو محمد بن حسین کہتے ہیں۔ اللہ تعالی اسے انوار و حکم عطا فرمائے گا۔ تم اسے میرا سلام کہنا۔ (شواھد النبوت فارسی ص ۱۸۱)

وہ صحابہ کرام جن کے طرز عمل کو بطور حجت پیش کیا گیا ان کی عظمت نگاہ مصطفیٰ ﷺ اور نگاہ صحابہ میں:

(۱) مولا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم:

سرور کائنات، فخر موجودات سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ (ترمذی شریف، مقاصد الحسنہ ص ۹۷ للسخاوی) میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازہ ہیں۔

علیٌّ مَعَ القُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ لن یتفرّقا حتّٰی یردا علی الحوض۔ (طبرانی شریف، ج ۱ ص ۶۵۵) علی رضی اللہ عنہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دونوں ہرگز جدا نہیں ہو سکتے حتّٰی کہ حوض کوثر پر بھی دونوں اکٹھے ہوں گے۔

علیٌّ یزھَرُ فی الجنّۃ ککوکب الصّبح لاھلِ الدنیا۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۵، اسنی المطالب ص ۱۴۲) علی المرتضی جنت میں اس طرح چمکیں گے جس طرح صبح کا ستارہ دنیا والوں پر چمکتا ہے۔ النظر اِلٰی وجہِ علیٍّ عبادۃٌ۔ (طبرانی شریف، ریاض النضرۃ، ج ۲ ص ۲۹۱، مستدرک حاکم) علی رضی اللہ عنہ کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

علیٌّ عیبۃُ علمی۔ (جامع الصغیر) علی میرے علم کا خزانہ ہیں۔

مَنْ کنتُ مولاہُ فعلیٌّ مولاہُ۔ (تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۹۳، اسنی المطالب ص ۲۲۷)

جس کا میں مولا ہوں اس کا علی رضی اللہ عنہ مولا ہے۔

علیٌ یقضی دینی ۔(صواعق محرقہ ص ۱۲۵) علی رضی اللہ عنہ دینی امور کے معاملے میں قاضی منصف تھے۔

(۲) حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ:

حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ایھا الناس من اذیٰ عمّی فقد اذانی ۔(جامع الترمذی ج ۲ ص ۲۱۷ مطبوعہ مجتبائی دہلی)

اے لوگو! جس نے میرے چچا کو تکلیف دی پس بے شک اس نے مجھے تکلیف دی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر ہستی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد صحابہ کرام نے قحط کے موقعہ پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ بارگاہ رب العزت میں پیش کیا تو اللہ کریم نے بارش نازل فرمائی۔(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۸۵ مطبوعہ مصر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احفظونی فی العباس فانّہٗ آبائی ۔(طبرانی شریف ج ۱ ص ۲۰۷)

(۱) حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان لکلّ نبیٍ امّۃ امین وانّ امینا ایُّھا الامۃ ابو عبیدۃ ابن الجراح۔(جامع الصغیر ج ۱ ص ۷۹ مطبوعہ مصر) بے شک ہر نبی کا ایک امین ہوتا ہے اور میرے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔

(۴) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

سیدنا فاروق اعظم کے فضائل مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنئے: اِنَّ اللّٰہ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لسانِ عمر وقلبہٖ ۔(ترمذی شریف۔ ج ۲ ص ۲۰۹ سطر نمبر ۸۰۷) بے شک اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور دل پر حق کو جاری کر دیا ہے۔

عُمَرُ معی وانا مَعَ العمر والحق بعدی مَعَ عمر حیثُ کان۔ (جامع الصغیر ج ۲ ص ۶۶ طبرانی شریف) عمر رضی اللہ عنہ کی سنگت میرے ساتھ اور میری سنگت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور میرے بعد حق وصداقت کی سنگت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگی، جہاں کہیں بھی عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لیفرقُ منكَ یا عمر ۔ (ترمذی شریف، ج ۲ ص ۲۱۰) اے عمر رضی اللہ عنہ! بے شک شیطان تجھ سے دور رہتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ خَاصَّةً ۔ (جامع الصغیر ج ا ص ۴۳) اے اللہ! اسلام کو عمر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے عزت عطا فرما۔

عمر بن الخطاب سراجُ اھلِ الجنّةِ ۔ (جامع الصغیر ج ا ص ۴۴) اہل جنت کے سردار عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

اَنَا مدینةُ العَدْلِ وَعُمَر بابھا ۔ (فتاوی حدیثیہ لابن حجر مکی ص ۱۴۷) میں عدل کا شہر ہوں اور عمر رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر جبرائیل بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں:

لقد استبشر اھلُ السماءِ بِاِسلامِ عُمَرَ ۔ (ابن ماجہ ص ۱۲ مطبوعہ دہلی)

بے شک آسمان والوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی خوشی منائی۔

لقد کان فیمن قبلکم محدّثون فاِنّ یكَ فی امّتی احدٌ فاِنّه عمر ۔ (صحیح البخاری، ساری الانوار ص ۱۰۰) البتہ تحقیق تم سے پہلوں میں محدثین ہوتے تھے بے شک میری امت میں تم میں عمر رضی اللہ عنہ محدث ہے۔

علامہ صنعانی لکھتے ہیں کہ محدث اس کو کہتے ہیں کہ جس کو خدا تعالی کی طرف سے الہام ہو اور اس کی اٹکل بالکل ٹھیک ہو۔

انّی لانظرُ اِلٰی شیاطین الجن والانس قد فرّو من عُمَرَ۔ (ترمذی شریف، صواعق محرقہ ص ۹۶) عمر رضی اللہ عنہ کا نام سن کر شیاطین اور جن بھی نظروں سے غائب ہو جاتے تھے۔

الفاروق فرّق اللہ بہ بین الحقّ والباطِلِ ۔(صواعق محرقہ، ص ۹۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی تو حق اور باطل میں فرق کو واضح کیا۔ اس وجہ سے آپ کو فاروق کے لقب سے لوگ پکارنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اقتدوا بالّذین من بعدی ابی بکرٍ وعُمَرَ۔(ترمذی شریف۔ ج ۲ص ۲۲۱) میرے بعد ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی پیروی کرو۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو فرمایا:

مَنْ اَرَادَ اَن یسألَ عن الفرآئض فَلْیَاْتِ زَیْدَ بنِ ثابتٍ ۔(اعلام الموقعین ج ۱ص ۲۲ مطبوعہ مصر) کوئی فرائض کے مسائل سے مسئلہ پوچھنا چاہے تو وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے زید بن ثابت کی قبر مبارک پر کھڑے ہو کر فرمایا: ھٰکذا یذھبُ الْعِلْمُ ۔(اعلام الموقعین ص ۲۲ مجمع الزوائد ج ۱) علم اس طرح چلا جاتا ہے۔ حضرت مالک بن انس فرماتے ہیں:

کان امم الناس عندنا بعد عمر بن الخطاب زیدُ بنُ ثَابِتٍ یعنی بالمدینۃ وَبَعْدَہٗ عبداللہ بن عمر۔ (الاستیصار فی نسب الصحابۃ من الانصار ص ۲۷ مطبوعہ مصر)

ہمارے نزدیک مدینہ منورہ میں حضرت عمر فاروقؓ کے بعد زید بن ثابت رضی اللہ عنہ امام تھے۔ اور ان کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کی خدمت پر مامور فرمایا تھا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نفاست مصاحف پر مامور فرمایا تھا۔(الاستبصار ص ۲۷ سیرت البخاری ص ۱۸۴) حضرت سروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان صاحبُ الْفَتْوٰی مِنَ النَّبِیِّ علیہ السلام وجدتُ زیدَبن ثابتٍ من الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے صاحب فتویٰ تھے۔

اور میں نے ان کو پختہ علم والوں میں سے پایا۔ (اعلام الموقعین، تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۳۴)

حضرت زید بن ثابت کاتب وحی تھے۔ (تہذیب التہذیب، سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۴۳۲)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں فرمائیں:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ، اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ، اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْکِتَابَ۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۸۸، ۱۸۹، ج ۱ ص ۱۶) اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما۔ اے اللہ! اسے کتاب وحکمت سکھا۔ اے اللہ! اسے کتاب (قرآن پاک کے علوم) سکھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نِعْمَ ترجمانُ القرآنِ ابنُ عبّاسٍ۔ (فتح الباری کتاب المناقب، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۷۸)

عبداللہ بن عباس بہت ہی اچھے قرآن مجید کے ترجمان ہیں۔ حَبْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ۔ (تہذیب التہذیب۔ ج ۵ ص ۲۷۹) اس امت کے بہت بڑے عالم ہیں۔

علامہ سخاوی تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو علماء دہر میں بحر العلوم سے خطاب کیا جاتا ہے۔ (فتح المغیث ص ۳۱۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لکلّ نبیٍّ حواری، وحواری الزبیر وابن عمتی۔ (طبرانی شریف ج ۲ ص ۱۶) ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر اور میرے چچا کے بیٹے عبد اللہ ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دو ہزار دو سو چھیاسی احادیث شریفہ مروی ہیں۔ تمام صحابہ میں آپ کی روایات تیسرے درجہ میں ہیں۔ آپ کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بارہ سال بطور خادم رہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ:

امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ اور امام محمد بن اسماعیل بخاری نے اپنی تصنیف الادب المفرد میں اور باقی آئمہ نے اپنی اپنی کتب میں باقاعدہ ہاتھ اور پاؤں چومنے کے حوالے سے باب باندھے ہیں۔

نوٹ:۔ اگر ہاتھ اور پاؤں چومنا ناجائز ہوتا اور شرک وبدعت ہوتا تو اتنے بڑے بڑے محدثین اور آئمہ حضرات کبھی باب باندھ کر اتنے اہتمام سے احادیث شریفہ جمع نہ فرماتے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات میں امام محمد بن اسماعیل بخاری کے احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام مسلم بن حجاج جو کہ صحیح مسلم شریف کے جامع ہیں ۔جب حضرت امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان سے عرض کیا کہ مجھے چھوڑ دیں۔ یعنی اجازت فرمائیں کہ میں آپ کے مبارک پاؤں چوم لوں۔ (اشعۃ اللمعات فارسی ص ۹ ج ا مطبوعہ نولکشور تاریخ نیشاپوری از حاکم سیرت البخاری ص ۴۴ مولوی عبدالسلام مبارک پوری)

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ:

علامہ ابن حجر مکی سے مصافحہ اور ہاتھ چومنے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا: آنے والے کے ساتھ مصافحہ کرنا اور عالم دین، صالح شریف اور عمدہ نسب والے کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینا سنت ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ:

علامہ ابراہیم بن محمد حلبی فرماتے ہیں کہ: عند ابی یوسف لایکرہُ ولا باْسَ بالمصافحۃِ وتقبیلِ یدِ العالِمِ والسلطانِ العادِلِ ۔امام ابو یوسف کے نزدیک عالم دین اور عادل سلطان (بادشاہ) سے مصافحہ کرنے اور ان کے ہاتھ کو بوسہ دینے میں کوئی حرج اور کراہت نہیں۔ (ملتقی

الابحر ص ۳۳۸ سطر ۱۴ تا ۱۶ للحلبی مطبوعہ مصر)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ:

امام نووی شارح صحیح مسلم شریف سے جب کسی نے پوچھا کہ غیر کے ہاتھ کو چومنے کا کیا حکم ہے تو آپ نے فرمایا: صالحین، فضلاء اور علماء کے ہاتھوں کو چومنا مستحب ہے۔ (کتاب الاذکار للنووی ص ۲۳۴ مصر، حاشیہ مشکوۃ المصابیح ص ۴۰۲)

فقیہ ابو اللیث سمرقندی:

حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی، امام جلال الدین سیوطی، علامہ عبد الغنی دہلوی نے چومنے کی پانچ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ (۱) محبت کے طور پر (۲) رحمت کے طور پر (۳) شفقت کے طور پر (۴) احترام کے طور پر (۵) شہوت کے طور پر۔

محبت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے والدین کا اپنی اولاد کے رخساروں کو چومنا، رحمت کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے اولاد کا والدین کے سر کو چومنا، شفقت کے طور پر ایسا ہے جیسے ہمشیرہ کا بھائی کی پیشانی کو چومنا، عزت واحترام کے طور پر چومنا ایسا ہے جیسے مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ کو چومنا اور شہوت کے طور پر ایسا ہے جیسے خاوند کا اپنی بیوی کے چہرہ کو بوسہ دینا۔

نوٹ:۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی کے متعلق علامہ محقق عبد الوہاب شعرانی تحریر فرماتے ہیں:

آپ کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالت بیداری میں بالمشافہ پچھتر (۷۵) مرتبہ زیارت ہوئی۔ (المیزان الکبریٰ ص ۴۴ ج ۱ مطبوعہ مصر)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی:

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: عالم دین، زاہد یا عمر رسیدہ آدمی کا ہاتھ چومنا جائز ہے۔ (اشعۃ اللمعات فارسی ج ۴، ص ۲۴ مطبوعہ نولکشور)

علامہ محمد بن عبد اللہ تمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ:

علامہ محمد بن عبد اللہ مصنف کتاب تنویر الابصار اپنی تصنیف لطیف میں تحریر فرماتے ہیں:

جو شخص کسی عالم یا زاہد سے اس کے پاؤں چومنے کی اجازت طلب کرے تو اس کو پاؤں چومنے کی اجازت دے دینی چاہئے۔ بادشاہ کے ہاتھ، پاؤں چومنے میں کوئی حرج نہیں۔ (تنویر الابصار باب الاستبراء مظاہر حق ج ۴ ص ۵۴)

مصنف درمختار علامہ علاؤالدین الحصکفی:

فقہ حنفیہ کی مشہور و معروف کتاب درمختار کے مصنف علامہ علاؤالدین الحصکفی فرماتے ہیں: ''تبرک کے طور پر عالم اور پرہیزگار متقی شخص کے ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں۔ مجتبیٰ نامی کتاب کے مصنف نے جامع سے نقل کیا ہے کہ دیندار حاکم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ (درمختار ج ۲ ص ۲۴۳، باب الاستبراء حاشیہ جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۸)

علامہ قطب الدین دہلوی:

اپنی تصنیف لطیف مظاہر حق میں فرماتے ہیں کہ بوسہ دینا اوپر ہاتھ عالم متورع کے جائز ہے بعضوں نے کہا مستحب ہے۔ (مظاہر حق ج ۴ ص ۵۴ مطبوعہ لکھنؤ)

امام بدرالدین عینی شارح بخاری شریف نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

☆ اِنَّ رَجلاً اَتَی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنِّی نَذَرْتُ اِنْ فَتَحَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ عَلَیْکَ بِبَکَّۃَ اِنْ اٰتی البیت فَاُقَبِّلُ اسفلَ الاسکفۃِ فقالَ قَبِّلْ قَدَمَیْ اُمِّکَ۔

بے شک ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے عرض کی کہ میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ مکرمہ کی فتح دی تو میں بیت اللہ کے پاس جاؤں گا۔ اور اس کی چوکھٹ کو بوسہ دوں گا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم اپنی والدہ کے دونوں پاؤں کو بوسہ دو تمہاری نذر پوری ہو جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۸۲ مطبوعہ مصر)

بعد از وصال جسم کا بوسہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: اِنَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَبَّلَ عثمان بن مظعون وَھُوَ مَیِّتٌ وَھُوَ یَبْکِی اوقال عیناہُ تَذْرِفَان۔ (ترمذی شریف، ابواب الجنائز۔

ج ا ص ۵۱۰ فرید بک سٹال لاہور) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی میت کو بوسہ دیا اس وقت آپ رو رہے تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے یہ روایت منقول ہے فرماتے ہیں: اِنَّ اَبَابَکرٍ قبّلَ النبی علیہ السلام وَھُوَ مَیِّتٌ۔ (ترمذی شریف ج ا ابوب الجنائز۔ ص ۵۱۰ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک پر حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کو بوسہ دیا۔

سلف صالحین اور اولیاء کاملین کا طرز عمل بطور حجت بوسہ:

سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے :مَارَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فھو عند اللہ حَسَنٌ۔ (مستدرک ج ۳ ص ۷۸۔ اعلام الموقعین ج ا ص ۶۹) جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

محترم قارئین! اس ارشاد گرامی کو پیش نظر رکھ کر اسلاف کی زندگیوں کا مطالعہ فرمائیں تو آپ دیکھیں گے کہ اولیاء کاملین بھی ایک دوسرے کے ہاتھ اور پاؤں چومتے اور بوسہ دیتے تھے۔ اس فعل سے نہ منع فرمایا اور نا پسندیدگی کا اظہار فرمایا: آیئے ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ:

قطب الاقطاب غوث الاغیاث، محبوب سبحانی، حضرت سیدنا شیخ عبدالقدر جیلانی رضی اللہ عنہ کا غنیۃ الطالبین میں ارشاد ہے: ان نعانقا قبّل احدھما رأس الآخر وَیَدَہٗ علی وجہ التبرّک والتدیّن جاز۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۱) اگر دو آدمی آپس میں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور ایک دوسرے کے سر اور ہاتھوں کو تبرک کا بوسہ دیا تو یہ شرعاً جائز ہے۔

بادشاہوں کی عاجزی وانکساری:

امام نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف الشطنوفی علیہ الرحمۃ اور بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے برادر بزرگ شہزادہ داراشکوہ قادری نے تحریر فرمایا ہے شیخ خضر بن عبداللہ الحسینی الموصلی

رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے حضور غوث پاک کی تیرہ سال خدمت کی۔ روایت کرتے ہیں کہ خلیفہ وقت، وزراء اور امراء سیدنا غوث اعظم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اگر آپ حجرہ شریفہ میں تشریف فرما ہوتے تو اٹھ کر گھر تشریف لے جاتے۔ جب وہ حجرہ میں بیٹھ جاتے تو پھر آپ دولت خانہ سے باہر تشریف لاتے تاکہ ان کے لئے آپ کو اٹھنا نہ پڑے۔ آپ ان سے گفتگو نہایت بے باکی سے فرماتے اور واضح الفاظ میں ان کو وعظ و نصیحت فرماتے وہ آپ کے سامنے عجز و انکساری سے بیٹھتے اور مبارک ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔ (بہجۃ الاسرار ص ۸۶، سفینۃ الاولیاء ص ۶۴، ۶۵)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ المشائخ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری نور اللہ مرقدہ نے اپنی تصنیف ''کشف المحجوب'' میں اپنا واقعہ درج فرمایا ہے۔ نیز یہی واقعہ شیخ فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ نے بھی نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''میں (داتا گنج بخش) ملک شام میں حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے سرہانے کی طرف لیٹا ہوا تھا خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بزرگ کو آغوش میں لئے ہوئے ہیں۔ باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں تو دوڑ کر میں نے آپ کی پشت مبارک پر بوسہ دیا میں متعجب و حیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ نبی غیب دان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معجزانہ شان سے میری باطنی اور دلی کیفیت کو جان کر ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے امام ابوحنیفہ ہیں جو تمہارے ہی ملک کے ہیں''۔ (کشف المحجوب فارسی ص ۹۳، ۹۴ تذکرۃ الاولیاء فارسی ص ۱۳۳)

شیخ احمد رفاعی علیہ الرحمۃ:

آپ ۵۵۵ء میں حج شریف سے فارغ ہو کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور قبر شریف کے مقابل کھڑے ہو کر یہ دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''دوری کی حالت میں اپنی روح کو خدمت اقدس میں بھیجا کرتا تھا۔ وہ میری نائب بن کر

آستانہ عالیہ کو چومتی تھی۔اب جسموں کی حاضری کی باری آئی ہے۔اپنا دست مبارک عطا کیجئے تاکہ میرے ہونٹ اس کو بوسہ دیں۔یہ محسوس کرنے پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک نکلا اور انہوں نے اس کو بوسہ دیا۔(نزہۃ المجالس ج ا ص ۱۵۹)

علامہ عبدالرحمٰن صفوری علیہ الرحمۃ نے یہ واقعہ نقل فرما کر مزید تحریر کیا ہے کہ اس واقعہ کی حقیقت پر کوئی انکار نہیں۔

فَاِنَّ اِنْکَارَ ذٰلِکَ یُؤَدِّیْ اِلٰی سُوْءِ الْخَاتِمَۃِ۔(فضائل حج ص ۱۵۱)

نیز مولوی زکریا سہارنپوری نے لکھا ہے کہ تقریبا نوے ہزار کا مجمع مسجد نبوی میں تھا جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی زیارت کی جن میں محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجلس قائم کی ہوئی تھی کہ حجاج ننگی تلواروں کے ساتھ لشکر لئے ہوئے آیا۔ایک بزرگ جو حاضر مجلس تھے انہوں نے کہا آج حسن بصری کا امتحان کرتے ہیں۔حجاج بیٹھ گیا آپ نے ذرا بھی توجہ نہ فرمائی پھر اس بزرگ نے کہا حسن حسن ہی ہے جب مجلس ختم ہوئی تو حجاج نے آپ کے قریب ہو کر آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔(تذکرۃ الاولیاء فارسی ص ۲۰ از شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ)

شیخ عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ:

قطب ربانی شیخ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی ان انعام واکرام کا تذکرہ فرماتے ہوئے جو کہ اللہ تعالی نے ان پر فرمائے ہیں ایک کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں کہ جب میں فقراء کی کسی اچھی مجلس میں حاضر ہوتا ہوں تو میں اپنے دل میں یہ خیال رکھتا ہوں کہ میں ان سے زیادہ گناہ گار ہوں۔(یہ آپ کی انکساری تھی ورنہ آپ عالم، محدث، صوفی، صاحب کرامت، تالیفات نفیسہ، متبع سنت تھے۔)

بعدازیں فرماتے ہیں "اور یہی وجہ ہے کہ میں انہیں برگزیدہ سمجھتا ہوں اور وہ میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں۔ (لطائف المنن والاخلاق ج ا ص ۱۴۴ مطبوعہ مصر)

حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہ العزیز ایک خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں۔ اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ان کے حضور ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ اس گھر میں جہاں آپ نے خواب دیکھا ایک رسی بندھی ہوئی ہے اور اس پر خرقے اور جبے لٹک رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا شیخ الشیوخ نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیا تاکہ قدم بوسی کا شرف حاصل کرسکوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لٹکے ہوئے خرقوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ عمرو! یہ خرقہ بہاؤالدین کو پہناؤ۔ شیخ الشیوخ نے ارشاد کی تعمیل کی۔ علی الصبح حضرت نے مجھے طلب فرمایا۔ جب میں حاضر خدمت ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہی مکان ہے اور اسی طرح خرقے لٹک رہے ہیں۔ شیخ الشیوخ نے وہی خرقہ جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اشارہ فرمایا تھا۔ اسی تار سے اتار کر مجھے پہنایا اور فرمایا: اے بہاؤالدین! یہ خرقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عطاء ہے۔ (سفینۃ الاولیاء ص ۱۴۰،۱۴۱)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ:

سلطان الہند خواجہ خواجگان معین الملۃ والدین چشتی اجمیری کے متعلق خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمعرات کے روز ایک مرتبہ جامع مسجد اجمیر شریف میں خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں مبارک کو چومنے کا شرف حاصل ہوا۔ (اخبار الاخیار فارسی ص ۳۶ مطبوعہ دیوبند، دلیل العارفین مجلس ششم)

طوالت کے پیش نظر انہیں اولیاء کاملین پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ تمام بڑے بڑے عظیم المرتبت اولیاء اللہ، جو ہمہ جہت شخصیات کے مالک تھے۔ بھی ہاتھ پاؤں چومنے کے قائل تھے بلکہ ان کے

نواب صدیق حسن خان بھوپالی بھی ہاتھ اور پاؤں چومنے کے جواز کے قائل تھے۔ چنانچہ اپنی کتاب عوائد العوائد میں بعض احادیث شریف نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

ہاتھ اور پاؤں چومنے کا جواز ان احادیث شریفہ سے ظاہر ہے۔ (عوائد العوائد ص ۸۹)

مولوی وحید الزمان:

مولوی وحید الزمان لکھتے ہیں میں حرم شریف کے اندر جاتا اور سبز گنبد شریف پر جب نظر ڈالتا تو ساری تکلیفیں کافور ہو جاتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف قدم بوسی سے وہ خوشی دل پر آتی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ (وحید اللغات از مولوی وحید الزمان وصیات وحید الزمان ص ۷۹ از مولوی عبد الحلیم)

مولوی وحید الزمان صاحب غیر مقلد حضرات کی نہایت ہی مقتدر شخصیت ہیں۔ ان کی معرکۃ الآراء کتاب ''ھدیۃ المھدی'' کی عبارت کا ماحصل بیان کرتے ہوئے اخبار اہل حدیث امرتسر ان کا عقیدہ لکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے متعلق ایسا اعتقاد رکھے کہ وہ ہر ایک کام پر بالاستقلال قدرت والا ہے۔ اور اس خیال سے وہ ہر ایک کام پر اس کے سامنے قیام باسلام انحناء وسیر ما تقبیل ید وغیرہ کرتا ہے تو یہ شرک ہے۔ لیکن قطع نظر ان خیالوں کے کوئی شخص کسی غیر اللہ کو سجدہ کرے اور رکوع وطواف کرے یا اس سے بھی زیادہ کوئی ایسے افعال کرے جو مخصوص عبادت الٰہی ہوں۔ مگر اس کا قصد ان افعال (قیام، سلام، انحناء سیر، ہاتھوں کو چومنا وغیرہ) سے مجرد ادائے تعظیم اور پختہ ہو اور شعائر اللہ وصالحین کی عظمت کا اظہار اور خدا کے مقرب بندوں کی محبت ہو تو وہ شرک نہیں ہو سکتا۔ (ہدیۃ المھدی ص ۱۱۳ اخبار اہل حدیث امرتسر ص ۳۶۔ نومبر ۱۹۱۱ء)

مولوی محمد ابو الحسن:۔ مولوی محمد ابو الحسن غیر مقلد فیض الباری میں لکھتے ہیں کہ جائز ہے بوسہ دینا چہرے پر اور ہاتھ پر۔ (فقہ محمدیہ ص ۷ حصہ ششم)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ:

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ ایک بار مولوی منظور احمد۔ حاجی امداد اللہ کی خدمت

میں قدم بوسی کو حاضر ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ جس نے زندہ مومن روئے زمین پر نہ دیکھا ہو اور دیکھنا منظور ہو تو مولوی منظور احمد کو دیکھ لے، یہ بے شک ولی اللہ ہیں۔(امداد المشتاق ص ۱۴۲)

مولانا قاسم نانوتوی کو قدم بوسی سے بلند مقام ملنا:

مدرسہ دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی اپنا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ کتاب "آب حیات" کے اوراق کا مسودہ پشتارہ باندھ کر جہاز پر چڑھا اور محض بامداد خداوندی باوجود گمراہی اور نامہ سیاہی کے جس کی وجہ سے اپنی رسائی تو درکنار ہمراہیوں کی گم گشتگی کا بھی اندیشہ تھا، دریا پار ہو کر جدہ پہنچا اور وہاں سے نسواری شتر دوز زمین دونوں قبلوں کی زیارت سے مشرف ہوا بیت اللہ شریف کا طواف میسر آیا اور حضرت پیر و مرشد ادام اللہ فیوضہ کی قدم بوسی سے رتبہ عالی پایا۔ اعنی بزیارت مطلع انوار سبحانی منبع اسرار صمدانی، مورد افضال ذی الجلال والاکرام مخدوم مطاع خاص وعام، سرحلقہ مخلصاں، سراپا اخلاص سر لشکر صدیقاں باختصاص رونق شریعت زیب طریقت، ذریعہ نجات، وسیلہ سعادت دستاویز، مغفرت نیاز منداں، بہانہ واگزاشت ستمنداں، ہادی گمراہاں، مقتدائے دین پناہاں، زبدہ زماں، عمدہ دوراں، سیدنا و مرشدنا مولانا الحاج امداد اللہ زَالَ کَاِسْمِہٖ اَمَدًا بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔(آب حیات ص ۴، ۳ مطبوعہ دہلی)

مولانا رشید احمد گنگوہی:

دیوبندیوں کے قطب مولانا رشید احمد گنگوہی سے کسی نے مسئلہ پوچھا کسی شخص کی تعظیم کو کھڑا ہو جانا اور پاؤں کو پکڑنا اور چومنا درست ہے یا نہیں؟ تو مولوی رشید احمد گنگوہی نے جواب دیا کہ تعظیم دیندار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا درست ہے۔ حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔(فتاوی رشیدیہ ص ۴۵۹ مطبوعہ کراچی)

مولانا مظہر نانوتوی اور رشید احمد گنگوہی کا طرز عمل:

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی اپنی جماعت کے دو بزرگوں اور جید علماء مولانا رشید احمد گنگوہی

اور مظہر نانوتوی کا آپس میں ملتے وقت معمول بیان کرتے ہیں جن سے ان کا عقیدہ ظاہر ہوتا ہے:
مولانا محمد مظہر نانوتوی عمر میں حضرت امام ربانی (رشید احمد) سے بڑے تھے۔ مگر عقیدت کے لحاظ سے گویا حضرت کے جان نثار اور عاشق جانباز تھے۔ جب تشریف لاتے تو بے اختیار حضرت کے قدموں پر بوسہ دیتے اور آنکھوں میں آنسو ابھر آتے۔ حضرت امام ربانی (گنگوہی) یوں فرمایا کرتے کہ مولانا آپ کیوں نادم فرمایا کرتے ہیں۔ آپ میرے بڑے بھائی ہیں مجھ پر آپ کا ادب ضروری ہے۔ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۸۱، تذکرۃ الخلیل ص ۵۸)

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کا رشید احمد گنگوہی کی قدم بوسی کرنا:

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی اپنے استاد اور بزرگ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے حج کی روانگی کے موقعہ کا واقعہ تحریر کرتے ہیں مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے عرض کیا حضرت میرا قصد تو مدینہ طیبہ کا پختہ ہے کہ موت کے لئے جو وقت مقرر ہے وہ کہیں بھی نہیں ٹل سکتا اور اس راستہ میں آجائے تو زہے نصیب کہ مسلمان کو اور کیا چاہئے۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے یہاں تک پہنچادیا۔ اب اگر موت کے ڈر سے مدینہ طیبہ کا سفر چھوڑ دوں تو مجھ سے زیادہ بدنصیب کون ہے؟ یہ سن کر حضرت (حاجی امداد اللہ) کا چہرہ دمکنے لگا خوشی سے۔ اور فرمایا: بس بس تمہارے لئے یہ رائے ہے کہ ضرور جاؤ اور ان شاء اللہ تعالی پہنچو گے۔ چنانچہ میں حضرت سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ روانہ ہوا اور جس طمانیت اور راحت کے ساتھ پہنچا وہ میرا ہی دل خوب جانتا ہے تقریبا دو ہفتہ حاضر آستانہ رہا اور پھر بخیریت تمام وطن پہنچ کر حضرت امام ربانی (رشید احمد گنگوہی) کا قدم بوس ہوا۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۱۰۷)

حافظ عبد القادر تھانوی:

حافظ عبد القادر تھانوی بیان کرتے ہیں کہ ارکان حج ادا کر کے ہمراہی قافلہ مدینہ طیبہ پہنچے اور بے خطر مدینہ طیبہ پہنچے اور اطمینان کے ساتھ زیارت سے مشرف ہو کر مکہ معظمہ میں بخیر و خوبی حضرت (حاجی امداد اللہ) سے قدم بوس ہوئے۔ (کرامات امدادیہ ص ۱۹ از مولانا اشرف علی

تھانوی مطبوعہ دیوبند)

مولانا حسین علی واں بھچراں کا فتویٰ:

پیر استاد کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دے تو شرک نہیں تعظیم ہے۔ (بلغۃ الحیران ص ۷)

قارئین محترم! احادیث مبارکہ، صحابہ کرام، اہل بیت عظام، اولیائے کاملین، صالحین امت، مفسرین کرام، محققین، مدققین، فقہاء وعلماء کے طرز عمل اور وہ لوگ جو اس فعل کو ناجائز اور شرک وبدعت سمجھتے ہیں ان کے اکابرین کے مستند حوالے پیش کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ ہاتھ، پاؤں چومنا ایک مستحسن عمل ہے نہ شرک ہے اور نہ ہی بدعت وناجائز۔ بلکہ سرکار دو عالم ﷺ، صحابہ کرام اور علماء واولیائے عظام کے نزدیک ایک محبوب اور پسندیدہ عمل ہے۔

آثار وتبرکات اور مزارات مقدسہ کا بوسہ اور تعظیم

قرآن کی روشنی میں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۔ (پ ۲۶، رکوع نمبر ۹) (اے ایمان والو!) تم میرے حبیب کی تعظیم کرو اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کا احترام کرو۔

گویا اس آیہ مقدسہ میں اللہ کریم نے ہمیں آپ ﷺ کی تعظیم اور توقیر کا مطلق حکم دیا ہے۔ اصول کے مطابق تعزیر کا حکم جب کسی خاص رکن کے ساتھ مقید نہ ہو یا کسی خاص عمل کے ساتھ مختص نہ ہو اس وقت تک اس کے حکم کا اطلاق عموم پر ہوگا۔ اور تمام افراد پر محیط ہوگا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا فرمان سے جو بھی مراد لیا جائے وہ آپ ﷺ کے در اقدس کو بوسہ دینے یا آپ کی دہلیز مبارک کو چومنے کے منافی نہیں ہے۔ یہ چیز ہر ذی شعور اور ذی عقل پر اچھی طرح عیاں ہے کہ چومنے کے فعل کو سجدہ کی تعریف میں شامل نہیں کیا جاسکتا جس کی تفصیل ابتدائی صفحات میں گزر چکی ہے۔ ورنہ ہر رکعت کے آخر میں حالت سجدہ میں زمین کو چومنے سے ہی نماز ہوجاتی اور پیشانی زمین پر رکھنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا: اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا۔ (سورۃ یوسف نمبر ۹۳) میری اس قمیص کو لے جا کر میرے والد کے چہرے پر ڈال دو ان کی نابینا آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

قرآن مجید میں ہے: وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (البقرہ: آیت نمبر ۲۴۸)

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا: اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک ایسا تابوت آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو چین اور سکون اور آل موسی اور آل ہارون کی چھوڑی ہوئی کچھ چیزیں ہیں (تبرکات) جن کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔ لاریب! اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے بشرطیکہ تم مومن ہو۔

حضرت صدر الافاضل شاہ نعیم الدین مرادآبادی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا زراندو صندوق تھا۔ جس کا طول تین ہاتھ اور عرض دو ہاتھ تھا اس کو اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ اس میں تمام انبیاء کی تصویریں تھیں۔ ان کے مساکن و مکانات کی تصویریں تھیں اور آخر میں حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے دولت سرائے اقدس کی تصویر ایک یاقوت سرخ میں تھی۔ کہ حضور بحالت قیام میں ہیں۔ اور اردگرد آپ کے اصحاب، حضرت آدم علیہ السلام نے ان تمام تصویروں کو دیکھا یہ صندوق وراثۃً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسی علیہ السلام تک پہنچا۔ آپ اس میں توریت بھی رکھتے تھے۔ اور اپنا مخصوص سامان بھی۔ چنانچہ اس تابوت میں الواح توریت کے ٹکڑے بھی تھے اور حضرت موسی علیہ السلام کا عصا اور آپ کے کپڑے اور عمامہ اور تھوڑا سا لن جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا۔ حضرت موسی علیہ السلام جنگ کے موقعوں پر اس صندوق کو آگے رکھتے تھے اس سے بنی اسرائیل کے دلوں کو تسکین ہوتی تھی۔ آپ کے بعد یہ تابوت بنی اسرائیل میں متوارث ہوتا چلا گیا۔ جب انہیں کوئی مشکل درپیش ہوتی تو وہ

اس تابوت کو سامنے رکھ کر (اللہ سے) دعائیں کرتے اور کامیاب ہوتے۔ دشمنوں کے مقابلے میں اس کی برکت سے فتح پاتے۔ جب بنی اسرائیل کی حالت خراب ہوگئی اور ان کی بدعملی بہت بڑھ گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر عمالقہ کو مسلط کر دیا تو وہ ان سے تابوت چھین کر لے گئے اور اس کو نجس اور گندے مقامات میں رکھا اور اس کی بے حرمتی کی اور اس کی گستاخیوں کی وجہ سے وہ طرح طرح کے امراض و مصائب میں مبتلا ہوئے۔ ان کی پانچ بستیاں ہلاک ہوئیں اور انہیں یقین ہوا کہ تابوت کی اہانت ان کی بربادی کا باعث ہے۔ تو انہوں نے تابوت کو ایک گاڑی میں رکھ کر بیلوں کو چھوڑ دیا اور فرشتے اس کو بنی اسرائیل کے سامنے طالوت کے پاس لائے اور اس تابوت کا آنا بنی اسرائیل کے لئے طالوت کی بادشاہی کی نشانی قرار دیا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کی بادشاہی کے مقرر ہونے اور بے دریغ جہاد کے لئے آمادہ ہو گئے۔ کیونکہ تابوت پا کر انہیں اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔ طالوت نے بنی اسرائیل میں سے ستر ہزار جوان منتخب کئے جن میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے (جلالین، جمل، خازن، مدارک، خزائن العرفان ص ۷۴ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نوٹ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کا اعزاز اور احترام لازم ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور حاجتیں روا ہوتی ہیں اور تبرکات کی بے حرمتی گمراہوں کا طریقہ اور بربادی کا سبب ہے۔

شیخ محمود حسن دیوبندی:

اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا۔ اس میں تبرکات تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ انبیاء بنی اسرائیل اس صندوق کو لڑائی میں آگے رکھتے۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے فتح دیتا، جب جالوت غالب آیا ان پر تو یہ صندوق بھی وہ لے گیا۔ جب اللہ تعالیٰ کو صندوق کا پہنچانا منظور ہوا تو یہ کیا کہ وہ کافر جہاں صندوق کو رکھتے وہیں وبا اور بلا آتی۔ پانچ شہر ویران ہو گئے۔ ناچار ہو کر دو بیلوں پر اس کو لاد کر ہانک دیا۔ فرشتے بیلوں کو ہانک کر طالوت کے دروازے پر پہنچا گئے۔ (شیخ محمود حسن دیوبندی حاشیۃ القرآن ص ۶۸ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور)

(۳) قرآن کریم فرماتا ہے:۔ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوا حِطَّةٌ ۔(البقرۃ آیت ۵۸) یعنی اے بنی اسرائیل بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو۔ اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ بیت المقدس جو انبیاء کرام کی آرامگاہ ہے اسی کی تعظیم اس طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جانے کا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متبرک مقامات پہ توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔

۲۔ احادیث کی روشنی میں:

☆ حَدَّثَنَا۔ یَحْیٰی بن یحیی قَالَ اَنَا یزید بْن اَیُّوْبَ عَنْ محمد بن سیرین عَنْ امر عطیہ قَالَت دَخَلَ علینَا النَّبیُّ ﷺ ونحن نغسل ابنتہٗ فقال اغسلنھا ثلاثًا وخمسًا اواکثر مِن ذٰلِکَ ان رأیتن ذلك بماء وسدر واجعلن فی الآخرۃ کافورًا اوشیئًا من کافور فاذا فرغتن فاٰذِنَّنِی فلمّا فرغنا اٰذنّاہ فالقٰی الینا حقوہٗ فقال اَشْعِرْنَھا ایّاہٗ۔(شرح صحیح مسلم ج ۲ حدیث ۲۰۶۳ کتاب الجنائز از غلام رسول سعیدی فرید بک سٹال لاہور)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے درآنحالیکہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: اس کو تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا اگر مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ بار بیری کے پتوں اور پانی سے غسل دو۔ اور آخر میں کچھ کافور رکھ دینا اور جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر دینا ہم نے فارغ ہونے کے بعد آپ کو اطلاع دی آپ نے ہماری طرف اپنی چادر پھینکی اور فرمایا: اس کو سب کپڑوں کے نیچے پہنانا۔

اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کے کفن کے لئے اپنا تہبند عنایت کیا اور فرمایا: اس کے جسم کے ساتھ لگانا یعنی سب سے پہلے اس کو پہنانا تاکہ یہ ان کے جسم کے ساتھ چمٹا رہے اور اس کی برکات سے انہیں فائدہ پہنچے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے تبرکات کی اہمیت ان کی افادیت اور فیضان کا ثبوت ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے پاس حضور ﷺ کا ایک جبہ مبارک تھا وہ کہتی ہیں کہ ہم بیماروں کے لئے اس کو دھو کر اس کے دھوون

سے شفا حاصل کرتے تھے۔(امام مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

رسول اللہ ﷺ نے سر کے بال منڈانے کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو وہ مبارک بال دے کر فرمایا: انہیں لوگوں میں تقسیم کردو۔(امام مسلم بن حجاج قشیری صحیح مسلم ج ا ص ۴۲۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وصال کے وقت فرمایا ایک بار رسول اللہ ﷺ قضاء حاجت کے لئے گئے، میں ایک مشکیزہ لے کر آپ کی خدمت میں گیا۔رسول اللہ ﷺ نے اپنے جسم مبارک کے ساتھ لگے ہوئے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا مجھے عنایت فرمایا۔اس مبارک چادر کو میں نے آج کے دن کے لئے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ایک بار میں نے رسول اللہ ﷺ کے بال اور ناخن تراشے اور ان مبارک بالوں اور ناخنوں کو بھی میں نے اس دن کے لئے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔جب میں فوت ہو جاؤں تو اس قمیص کو میرے جسم کے ساتھ لگا کر کفن میں شامل کرنا اور ان بالوں اور ناخنوں کو میرے منہ اور آنکھوں اور اعضاء سجود پر رکھنا۔(علامہ ابوعمرو یوسف بن عبدالبر استیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۳ ص ۳۹۹)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جنگ یرموک میں ٹوپی گم ہوگئی انہوں نے ساتھیوں سے کہا اس ٹوپی کو تلاش کرو۔بڑی دیر تک ٹوپی کو تلاش کیا گیا۔بالآخر وہ ٹوپی مل گئی۔لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس ٹوپی کی تلاش میں جو اس قدر مشقت اٹھائی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کے موقع پر سر اقدس کے بال مبارک منڈوائے صحابہ ان بالوں کو حاصل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔میں نے بھی جھپٹ کر پیشانی مبارک کے کچھ بال حاصل کر لئے اور ان کو اس ٹوپی میں رکھ لیا۔جب بھی کسی جہاد میں شریک ہوتا ہوں اس ٹوپی کو پہن لیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ان مبارک بالوں کی وجہ سے مجھے فتح و نصرت سے نوازتا ہے۔(حسن حافظ ابن حجر عسقلانی۔اصابہ ج ا ص ۴۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۲۹۸ھ)

جس طرح رسول اللہ ﷺ کے تبرکات سے فائدہ حاصل ہوتا ہے اسی طرح حسب مراتب باقی انبیاء علیہم السلام اور عام صالحین کے تبرکات سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

شارحین کی نظر میں

(۱) علامہ نووی شافعی اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کے کفن کے لئے اپنی چادر انہیں برکت پہنچانے کے لئے دی تھی۔ لہذا اس حدیث میں صالحین کے آثار اور لباس سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔ اس میں مرد کے کپڑوں میں عورت کو کفن دینے کا بھی ثبوت ہے۔ (علامہ یحیٰی بن شرف نووی شرح مسلم ج ا ص ۳۰۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

(۲) علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں: اپنی چادر عطا فرمانے میں حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے آثار شریفہ سے تبرک حاصل کیا جائے اور غسل سے فراغت کے حصول تک چادر دینے میں تاخیر اور ابتداء میں چادر نہ دینے کی حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے جسم کے ساتھ لمس اور آپ ﷺ کی صاحبزادی کے جسم کے ساتھ اس چادر کے مس ہونے میں کوئی وقفہ نہ ہو۔ اور یہ حدیث صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی اصل اور دلیل ہے۔ (علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

(۳) علامہ دشتانی مالکی لکھتے ہیں: حضور ﷺ نے انہیں چادر پہنانے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی برکت حاصل کریں۔ (علامہ ابو عبد اللہ دشتانی مالکی اکمال المعلم ج ۳ ص ۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۴) علامہ عثمانی لکھتے ہیں: اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے آثار شریفہ سے تبرک حاصل ہو اور یہ حدیث آثار صالحین کے ساتھ تبرک کے حصول پر دلیل ہے۔ (علامہ شبیر احمد عثمانی فتح الملہم ج ۳ ص ۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۵) نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں: ۔اس حدیث میں آثار صالحین کے ساتھ

تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔ (نواب صدیق حسن خان بھوپالی طاہری السراج الوہاج ج اص ۲۹۴ مطبع صدیقی بھوپال ۱۳۰۲ھ) قرآن مجید، احادیث شریفہ اور فقہائے اسلام کے مذکورہ اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بزرگان دین کے تبرکات سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے۔

(۲) حضرت عباس بن ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے۔ ویقول انی اقبلك واعلم انك حجر ولولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلك لم اقبلك اور ساتھ ہی فرماتے جاتے تھے میں تجھے بوسہ دیتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے اگر میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی نہ چومتا۔ (ترمذی شریف ج اص ۴۵۶ مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور)

خدانخواستہ یہ حدیث پڑھ کر ذہن میں یہ سوال پیدا نہ ہو جائے کہ فاروق اعظم کو بوسہ سنگ اسود نا گوار تھا۔ مگر چونکہ نص میں آ گیا اس لئے چوم لیا اور چونکہ ان تبرکات کی نص نہیں آئی لہذا نہ چومنا ہی مناسب ہے اس لئے سب سے پہلے اٹھنے والے سوال کا محاسبہ کرنے پر ہی آگے عرض کروں گا۔ مولوی عبدالحی صاحب نے مقدمہ ہدایہ ذیلۃ الہدایہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی حدیث کو نقل فرمایا اور لکھا کہ حاکم کی اس روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جواب دیا اے امیر المؤمنین! حجر اسود نافع بھی ہے اور مضر بھی کاش کہ آپ نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر پر توجہ فرمائی ہوتی: وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ - (الاعراف آیت ۱۷۲)

جب میثاق کے دن رب تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تو وہ عہد نامہ ایک ورق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ سنگ اسود قیامت کے دن آئے گا اس کی آنکھیں اور زبان اور لب ہوں گے اور مومنین کی گواہی دے گا، لہذا یہ اللہ کا امین اور مسلمانوں کا گواہ ہے۔ حضرت فاروق نے فرمایا: اے علی! جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے۔

معلوم ہوا کہ سنگ اسود نفع ونقصان پہنچانے والا ہے اور اس کی تعظیم دین کی تعظیم ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سنگ اسود کو خطاب محض اس لئے نہ تھا کہ آپ اس بوسہ حجر اسود سے ناراض تھے بلکہ محض اس لئے تھا کہ اہل عرب پہلے بت پرست تھے۔وہ یہ نہ سمجھیں کہ اسلام نے چند بتوں سے ہٹا کر ایک پتھر پر ہم کو متوجہ کردیا۔اس فرمان سے لوگوں کو پتہ چل جائے کہ وہ تھا پتھر کا پوجنا اور یہ ہے پتھر کا چومنا۔چومنا اور ہے پوجنا اور۔

(۳) ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ چرمی سرخ قبا میں تھے۔میں نے حضرت بلال کو دیکھا انہوں نے حضور کے وضو کا پانی لیا اور لوگ اس پانی کو لینے کے لئے دوڑ رہے تھے۔جس کو اس میں سے کچھ ملتا وہ اس کو اپنے (منہ اور ہاتھوں) پر ملتا اور جس کو کچھ نہ ملتا وہ دوسرے لوگوں کے ہاتھوں کی تری لے کر مل لیتا۔(مشکوۃ شریف باب السنۃ ص ۴۷،۴۳ قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا واضعًا یَدَہٗ علی مقعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المنبر ثُمَّ وَضَعَهَا عَلٰی وَجْهِهٖ۔کہ منبر اقدس میں جو جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی تھی وہاں اپنے ہاتھوں کو ملتے پھر اپنے منہ پر پھیر لیتے۔(شفاء شریف ج ۲ ص ۴۴)

(۵) حضرت ابوعبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے دادا کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاف تھا ،حضرت عمر بن عبدالعزیز جب خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے دادا موصوف کو کہلا بھیجا۔چنانچہ وہ اس لحاف کو چمڑے میں لپیٹ کر لائے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز اسے اپنے چہرے پر ملنے لگے۔(تاریخ صغیر از امام بخاری از ذکر الجمیل ص ۳۵۶)

حضرت امام قاضی عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَاَوْلٰی ارضٍ جلد المصطفٰی ترابُهَا ان تعظم عَرَصاتها وتنسم نفحَاتها وتقبل ربوعها وجدارانُها۔(شفاء شریف ج ۲ ص ۴۶)

جس سرزمین اقدس کی مٹی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مقدس کے ساتھ لگنے کا شرف حاصل ہوا ہے لازم ہے اس کے میدانوں کی بھی تعظیم کی جائے اس کی ہواؤں کو سونگھا جائے اور اس کے

درود یوار کو بوسہ دیا جائے۔

سرکار دو عالم ﷺ اور مزارات مقدسہ کا بوسہ:

مولوی غلام حسین صاحب سلیانوی ایک مرتبہ حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مزار بوسی کے موضوع پر گفتگو شروع کر دی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اکابرین کے اقوال و حوالہ جات جو آپ کی تصنیف ''تنویر الابصار بتقبیل المزار'' میں درج تھے پیش کیے۔ تو مولوی صاحب نے کہا کہ یہ حوالے تو ٹھیک ہیں مگر حضور ﷺ کا بذات خود مزار کو چومنا ثابت ہو جاتا تو کچھ اور بات ہوتی۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا: مولوی صاحب! حضور ﷺ سے افضل ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جو حیی اور قیوم ہے اور تو کوئی افضل ہے ہی نہیں بلکہ مساوی اور مماثل بھی نہیں تو آپ کس کی قبر کو بطور تعظیم و تبرک بوسہ دیتے ہاں! اللہ تعالیٰ حی و قیوم کا مزار تو دکھا دے رسول اللہ ﷺ کا بوسہ دینا میں دکھا دوں گا۔ مولوی صاحب لا جواب ہو گئے۔

(۱) عن داؤد بن صالح قال اقبل مروان یومًا فوجَدَ رجلًا واضعًا وجهه علی القبر فَاَخَذَ رقبتِهٖ وقالَ اتدری ماتصنع قال نَعَمْ فاقبل علیه فاذا هو ابوایوب الانصاری رضی الله عنه جِئْتُ رسول اللّٰه ﷺ یقولُ لا تبکو علی الدّین اِذَا ولیهُ اهله ولکن ابکو علیه اذا ولیهُ غیر اَهلِهٖ۔ (مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۱۵ مسند امام احمد ج ۵ ص ۴۲۲)

حضرت داؤد بن صالح سے روایت ہے کہ ایک دن مروان متوجہ ہوا تو ایک آدمی کو اس طرح پایا کہ وہ اپنا چہرہ مزار اقدس پر رکھے ہوئے تھا تو مروان نے اسے گردن سے پکڑا اور کہا کیا تجھے معلوم ہے کہ کیا کر رہا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا ہاں (مجھے معلوم ہے) جب وہ شخص مروان کی طرف متوجہ ہوا تو وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں نہ کہ کسی پتھر کے پاس۔ پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ تم دین پر ایسے وقت نہ رونا جبکہ اس کا اہل اور لائق آدمی حاکم ہو البتہ اس وقت دین پر رونا جس وقت نالائق اور نااہل آدمی حاکم ہو۔

اس حدیث پاک سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محبت سے مزار بوسی کرتے تھے اس سے روکنے والے کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے نااہل کا خطاب ملا اور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اطہر بھی مروان کو سنا کر اسے نااہل دین سے بے بہرہ اور ناواقف فرمایا۔ بلکہ مزار بوسی سے روکنے کی وجہ سے دین پر رونا اور افسوس ظاہر کرنا فرمایا۔ تو مزار بوسی سے روکنے والے نالائق اور دین سے بے بہرہ ثابت ہوئے۔

لا تبكوا على الدين اذا وليهُ اهله ولكن ابكو عليه اذا وليه غير اهله۔

نااہل کے حاکم بننے سے دین اسلام پر رونے کا مطلب یہی ہے کہ نااہل حاکم اپنی رعیت کو دین پر عمل کرنے سے روکے گا جیسا کہ مروان نے حضرت ابوایوب انصاری کو روکا۔

سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا مزار اطہر سے چہرہ ملنا:

ابن عساکر نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا:

لما دخل عمر بن الخطاب رضي الله عنه عن فتح البيت المقدس فصار الى جابية سارلهٗ بلال ان يقبرهٗ بالشام ففعلَ فذكر قصة نزوله بلاريا قال ثم ان بلالاً رأى النبي صلی اللہ علیہ وسلم وهُوَ يقول ماهٰذه الجفوة يا بلال اَمَا انّ لك ان تزورني يابلال فاحزيناً وَجلاً خائفاً فركب راحلتهٗ وقصدنا المدينة والى قبر النبي صلی اللہ علیہ وسلم فجعلَ يبكي عندهٗ ويمرغ وجهه عليه فاقبل الحسن والحسين فجعل يضمُّهُمَا ويقبّلهما۔ الخ (وفاء الوفاء شریف)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس فتح کر کے واپس لوٹے اور جابیہ پہنچے تو حضرت بلال نے کہا کہ انہیں شام میں رہنے دیں۔ حضرت امیر المومنین نے ایسا ہی کیا اس کے بعد راوی نے کہا ان کے وہاں پہنچنے اور دریا میں اترنے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اے بلال! یہ کیا ظلم ہے؟ تیرے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تو میری زیارت کو آئے اس خواب کو دیکھ کر آپ بہت زیادہ خوفزدہ ہوئے اور راحلہ پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ کا قصد کیا۔ جب مدینہ پہنچے تو روضہ اطہر پر حاضر ہوئے قبر شریف کے پاس پہنچ کر روئے اور اپنا چہرہ قبر شریف پر ملنے لگے۔ اتنے میں حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ پس حضرت بلال ان دونوں کو لپٹانے اور چومنے لگے۔

شارح بخاری شریف امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء وبزرگان دین نے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا حضور ﷺ کا مزار چومنا کیسا ہے یا ممبر چومنا کیسا ہے؟ قال فلم یربہ باسا۔ فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ اور ابن ابی الصغت یمانی جو مکہ کے علمائے شافعیہ میں سے ہیں سے منقول ہے قرآن کریم، حدیث کے اوراق اور بزرگان دین کی قبریں چومنا جائز ہے۔ (فتح الباری پ۶ ص ۱۵ اجاء الحق حصہ اول ص ۳۷۸)

علامہ امام جلال الدین سیوطی قدس سرہ فرماتے ہیں: استنبط بعض العارفین من تقبیل الحجر الاسود تقبیل قبورا الصالحین۔ یعنی حجر اسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔ دیگر عالمگیری کتاب الکراہیت باب زیارۃ القبور میں ہے۔ لا باس بتقبیل قبر والدیہ کذافی الغرائب یعنی اپنے ماں باپ کی قبریں چومنے میں کوئی حرج نہیں۔

شفاء شریف میں ہے: حضور ﷺ کی توقیر وتعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے اسباب آپ ﷺ کے مکانات اور جو اس جسم پاک سے مس بھی ہو گیا ہو اور جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ حضور ﷺ کی ہے ان سب کی تعظیم کرے۔ شرح شفاء میں ملا علی قاری اسی عبارت کے تحت فرماتے ہیں اس سے مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور ﷺ سے منسوب ہو۔ اس کی تعظیم کرے۔ (جاء الحق حصہ اول ص ۳۸۴ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

صدائے درویش!

قرآن فرماتا ہے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ۔ (البقرۃ آیت ۱۵۸) بے شک صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم وتوقیر پر اپنے پرائے سب کا اتفاق ہے۔ جس طرح آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ شاہ اسماعیل بھی کعبہ کی چوکھٹ چومنے کے قائل ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ صفا اور مروہ شعائر اللہ کیوں بنی۔

قارئین کرام! وہ اس لئے کہ وہاں اللہ کی برگزیدہ بندی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے قدم لگے۔ اللہ کی ولیہ کے قدم لگنے سے وہ جگہ شعائر اللہ میں سے ہو گئی۔ اس کی عظمت اور اس کی تعظیم وتوقیر کا

ہر شخص قائل ہو گیا اور اس جگہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ جس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ جہاں انبیاء کرام بنفس نفیس اپنے جسموں کے ساتھ تشریف فرما ہوں جہاں امام الانبیاء تشریف فرما ہوں جس جگہ کے بارے میں علماء کا خیال ہے کہ یہ جگہ عرش سے بھی افضل و اعلیٰ ہے۔ کیونکہ اس جگہ کی مٹی کو جسم مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ مَس ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان جگہوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جہاں شہداء تشریف فرما ہیں۔ جو زندہ ہیں جن کو مردہ گمان کرنے سے بھی قرآن نے روکا ہے۔ کیا وہ جگہیں لائق تعظیم نہیں جہاں اولیاء کرام تشریف فرما ہیں۔ جہاں ہر وقت رحمت خداوندی کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ جس کے بارے میں مولوی اشرف علی تھانوی بھی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ اس پر رحمت خداوندی کا نزول ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ کے ولی کے مزار کے پاس بیٹھ جائے کیونکہ وہاں ہر وقت رحمت خداوندی کا نزول ہوتا رہتا ہے۔

صحابہ کرام، اہل بیت عظام، اولیاء کاملین، بزرگان وصالحین و مفسرین و محققین و مدققین اور علماء و فضلاء کے طرز عمل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہاتھ پاؤں مزارات اور تبرکات کا چومنا ایک مستحسن عمل ہے۔ یہ بدعت ناجائز بھی نہیں۔ بلکہ اس پر تمام علماء و فضلاء اور مذکورہ بالا حضرات عمل پیرا رہے اور اپنے دامن کو فیوض و برکات سے بھرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ سرکار دو عالم ﷺ، صحابہ کرام، اہل بیت عظام، اولیائے کاملین، اور بزرگان دین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ کیونکہ یہی وہ راستہ ہے جس کے لئے ہم دن میں کئی مرتبہ صراط الذین انعمت علیھم کی دعا مانگتے ہیں۔

اللہ کریم ہمارے دلوں میں محبت مصطفیٰ ﷺ کے چراغ ہمیشہ فروزاں رکھے۔ آمین یارب العالمین۔ بجاہ سید الانبیاء والمرسلین وصلی اللہ علیہ والہ واصحابہ الطیبین الطاہرین وازواجہ امہات المؤمنین اجمعین۔



مَنْ سَمِعَ اِسْمِیْ فِی الْاَذَانِ وَوَضَعَ اِبْهَامَیْهِ عَلٰی عَیْنَیْهِ
فَاَنَا طَالِبُهٗ فِیْ صُفُوْفِ الْقِیَامَةِ وَقَائِدُهٗ اِلَی الْجَنَّةِ۔ (الحدیث)



تَقْبِیْلِ اِبْهَامَیْنِ

انگوٹھے چومنا



تعظیم جس نے کی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی
اللہ نے اس پر آتشِ دوزخ حرام کی

(انگوٹھے چومنا)

نبی پاک، صاحب لولاک ﷺ کا نام نامی، اسم گرامی اذان میں سن کر انگوٹھے یا شہادت کی انگلیاں چوم کر آنکھوں سے لگانا جائز و مستحب اور باعث حسنات و برکات ہے۔ اس میں بہت سے دینی و دنیاوی مفاد ہیں۔ اس کے متعلق احادیث مبارکہ میں وضاحت موجود ہے اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی ثابت ہے۔

علاوہ ازیں اس کے جواز پر کافی دلائل موجود ہیں، اگر کوئی دلیل نہ بھی ہو تو منع پر شریعت سے دلیل کا نہ ہونا جواز کے لئے کافی ہے کیونکہ:

☆ اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَۃُ ۔(۱) دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب انہوں نے موذن کو اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ کہتے سنا تو یہ پڑھا۔ ☆اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم نَبِیًّا ۔ اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے پورے نیچے کی جانب سے چوم کر آنکھوں سے لگائے، اس پر حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے فرمایا:

☆ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِیْلِیْ فَقَدْ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ ۔ جو شخص ایسا کرے جیسا میرے پیارے نے کیا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ (المقاصد الحسنۃ از امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ)

☆(۲) عَنِ الْخِضَرِ علیہ السلام اَنَّہٗ قَالَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ یَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ ثُمَّ یُقَبِّلُ اِبْھَامَیْہِ وَیَجْعَلُھَا عَلٰی عَیْنَیْہِ لَمْ یَرْمُدْ اَبَدًا ۔

حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص موذن کو یہ کہتے ہوئے سنے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو کہے مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے اور اپنی آنکھوں سے لگائے۔ تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔ (المقاصد الحسنہ من موجبات الرحمۃ)

(۳) امام سخاوی، فقیہ محمد بن سعید خولانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت امام حسن علی جدہ الکریم وعلیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: جو شخص مؤذن کو اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰه کہتے ہوئے سنے تو سن کر یہ دعا پڑھے۔

☆ مَرْحَبًا بِحَبِيْبِي وَقُرَّةُ عَيْنِي مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَ يُقَبِّلُ اِبْهَامَيْهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلٰى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمَ وَلَمْ يَرْمَدْ۔ اور اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے نہ کبھی اندھا ہو اور نہ آنکھیں دکھیں۔ (المقاصد الحسنہ)

☆ (۴) رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ سَمِعَ اِسْمِيْ فِي الْاَذَانِ وَوَضَعَ اِبْهَامَيْهِ عَلٰى عَيْنَيْهِ فَاَنَا طَالِبُهٗ فِيْ صُفُوْفِ الْقِيَامَةِ وَقَائِدُهٗ اِلَى الْجَنَّةِ۔ (صلوۃ مسعودی۔ ج ۲ باب بستم بانگ نماز)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میرا نام اذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے (چوم کر) آنکھوں پر رکھے تو میں اسے قیامت کی صفوں میں تلاش کروں گا اور اسے اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا۔

(۵) شرح نقایہ میں ہے، ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

"جان لو کہ بے شک اذان کی پہلی شہادت کے سننے پر صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه اور دوسری شہادت کے سننے پر قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه کہنا مستحب ہے۔ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن (چوم کر) اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے جنت میں لے جائیں گے"۔

(۶) فقیہ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

☆ تَقْبِيْلُ الْاِبْهَامَيْنِ وَوَضْعُهُمَا عَلَى الْعَيْنَيْنِ عِنْدَ ذِكْرِ اِسْمِهٖ عليه السلام فِي الْاَذَانِ جَائِزٌ بَلْ مُسْتَحَبٌّ صَرَّحَ بِهٖ مَشَائِخُنَا۔

یعنی اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا اور ان کو آنکھوں سے لگانا جائز بلکہ مستحب ہے۔ اس کی ہمارے مشائخ نے تصریح فرمائی ہے۔

(۷) جب حضرت سیدنا آدم علیہ السلام جنت میں ہمارے آقا و مولا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے مشتاق ہوئے تو اللہ تعالی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ پر نور، حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثل آئینہ ظاہر فرمایا، تو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی، پھر جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

☆ مَنْ سَمِعَ اِسْمِیْ فِی الْاَذَانِ فَقَبَّلَ ظُفْرَیْ اِبْهَامَیْهِ وَمَسَحَ عَلٰی عَیْنَیْهِ لَمْ یَعْمَ اَبَدًا۔

جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔ (روح البیان ج ۴، اس سے ملتی جلتی تحریر برطانیہ سے ملنے والے انجیل کے پرانے نسخے "انجیل برناس" میں بھی ہے جس کے اکثر احکام اسلامی احکام سے ملتے جلتے ہیں)

(۸) شامی جلد اول باب الاذان میں ہے۔

اذان کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے، صلی اللہ علیک یارسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت یہ کہے قرۃ عینی بک یارسول اللہ ۔ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے: اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ اسی طرح "کنز العباد" میں ہے اور اسی کے مثل "فتاوی صوفیہ" میں ہے اور "کتاب الفردوس" میں بھی ہے کہ جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے، اذان میں اشھد ان محمدا رسول اللہ سن کر، تو میں اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا۔ اور اسے جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری بحث "بحر الرائق" کے حواشی اصلی میں ہے۔ اس عبارت سے چھ کتابوں کے حوالہ جات معلوم ہوئے ۔ شامی، کنز العباد، فتاوی صوفیہ، کتاب الفردوس، قہستانی، بحر الرائق کا حاشیہ، ان تمام میں اس کو مستحب فرمایا گیا۔

(۹) فاضل جلیل العلامۃ الکامل، الشیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں۔

قصص الانبیاء وغیرہ کتب میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں حضرت محمد ﷺ کی ملاقات کا اشتیاق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ وہ تمہارے صلب سے آخر زمانے میں ظہور فرمائیں گے۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ کی ملاقات کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کے کلمے کی انگلی میں نور محمدی ﷺ چمکایا تو اس نور نے اللہ کی تسبیح پڑھی، اسی واسطے اس انگلی کا نام کلمے کی انگلی ہوا۔ جیسا کہ "روض الفائق" میں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے جمال کو حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثل آئینہ ظاہر فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں چوم کر آنکھوں پر پھیرا۔ پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی، پھر جب جبرائیل امین نے نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔ (تفسیر روح البیان ج ۴ ص ۶۴۹)

(۱۰) اسی تفسیر روح البیان میں ہے:

"محیط میں آیا ہے کہ پیغمبر ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور ایک ستون کے قریب بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے برابر بیٹھے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر اذان دینا شروع کی۔ جب انہوں نے اشهد ان محمدا رسول الله کہا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخن کو اپنی دونوں آنکھوں پر رکھا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میری آنکھیں آپ (کے نام) سے ٹھنڈی رہیں۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دے چکے حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر! جو شخص ایسا کرے جیسا کہ تم نے کیا ہے خدا تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دے گا"۔

(۱۱) اسی تفسیر روح البیان کا ایک اور حوالہ پیش کیا جاتا ہے:

"اور حضرت شیخ امام ابو طالب محمد بن علی المکی، اللہ ان کے درجات بلند کرے، اپنی کتاب 'قوت القلوب' میں ابن عیینہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے محرم

کی دسویں تاریخ کو مسجد میں تشریف لائے اور ایک ستون کے قریب بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (اذان میں حضور ﷺ کا نام سن کر) اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر پھیرا اور کہا: قرۃ عینی بك یارسول اللہ۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہو گئے، حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر جو شخص تمہاری طرح میرا نام سن کر انگوٹھے آنکھوں پر پھیرے اور جو تم نے کہا وہ کہے، خدا تبارک وتعالیٰ اس کے تمام نئے و پرانے، ظاہر و باطن گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ (تفسیر روح البیان ج ۴ ص ۶۴۸)

(۱۲) امام سخاوی، شمس الدین امام محمد بن صالح مدنی کی تاریخ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت مجد مصری کو جو کاملین صالحین میں سے تھے فرماتے سنا کہ:

☆ مَنْ صَلّٰى عَلَى النَّبِیِّ ﷺ اِذَا سَمِعَ ذِكْرَهٗ فِی الْاَذَانِ وَجَمَعَ اِصْبَعَیْهِ الْمُسَبِّحَةَ وَالْاِبْهَامَ وَقَبَّلَهُمَا وَمَسَحَ بِهِمَا عَلٰى عَیْنَیْهِ لَمْ یَرْمَدْ اَبَدًا۔ (المقاصد الحسنہ)

جو شخص نبی کریم ﷺ کا ذکر پاک اذان میں سن کر درود بھیجے اور کلمہ کی انگلیاں اور انگوٹھے ملا کر ان کو بوسہ دے، اور آنکھوں پر پھیرے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔

(۱۳) یہی امام بخاری، انہی امام محمد بن صالح کی تاریخ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "عراق کے بہت سے مشائخ سے مروی ہوا ہے کہ جب انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر پھیرے تو یہ درود شریف پڑھے، صَلَّى اللّٰهُ عليك یا سیّدی یارسول اللّٰہ یا حبیبَ قَلْبِیْ وَیَا نُوْرَ بَصَرِیْ وَیَا قُرَّةَ عَیْنِیْ، ان شاء اللہ کبھی آنکھیں نہ دکھیں گی اور یہ عمل مجرب ہے۔

اس کے بعد امام مذکور فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے سنا ہے یہ مبارک عمل کرتا ہوں آج تک میری آنکھیں نہ دکھی ہیں اور نہ ان شاء اللہ دکھیں گی۔ (المقاصد الحسنہ)

(۱۴) امام سخاوی امام طاؤس سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے شمس الدین محمد بن ابی نصر بخاری سے یہ حدیث مبارک سنی۔ فرمایا:

☆ مَنْ قَبَّلَ عِنْدَ سَمَاعِهٖ مِنَ الْمُؤَذِّنِ كَلِمَةَ الشَّهَادَةِ ظُفْرَیْ اِبْهَامَیْهِ وَمَسَحَهُمَا عَلٰى

عَيْنَيْهِ وَقَالَ عِنْدَ الْمَسِّ اَللّٰهُمَّ اِحْفَظْ حَدَقَتِيْ وَنَوِّرْهُمَا بِبَرَكَةِ حَدَقَتِيْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَنَوِّرْهُمَا لَمْ يَعْمَ۔ (المقاصد الحسنہ)

جو شخص مؤذن سے کلمہ شہادت سن کر انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں پر پھیرے اور یہ پڑھے: اَللّٰهُمَّ احْفَظْ ــــــــ وَنَوِّرْهُمَا وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔

(۱۵) كفاية الطالب الربانی لرسالة ابن ابی زيد القيروانی کے صفحہ ۱۶۹ پر ہے کہ جب اذان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سنے تو درود شریف پڑھے پھر انگوٹھے چومے اور ان کو آنکھوں پر رکھے تو نہ کبھی اندھا ہوگا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی۔

(۱۶) حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دوسو برس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزارے تھے۔ جب وہ مرگیا تو لوگوں نے اس کو نجاست والی جگہ پر ڈال دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اس کو وہاں سے اٹھاؤ اور اس پر نماز پڑھو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! بنی اسرائیل اس کے نافرمان ہونے کی شہادت دیتے ہیں ارشاد ہوا یہ ٹھیک ہے۔ مگر اس کی عادت تھی کہ جب وہ تورات کو کھولتا اور (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ام پاک کو دیکھتا تو اس نام کو چوم کر آنکھوں سے لگالیتا اور درود بھیجتا۔ پس میں نے اس کا یہ حق مانا اور اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوریں اس کے نکاح میں دیں۔ (حلیۃ الاولیاء ابو نعیم ج ۴ ص ۴۲)

(۱۷) الشیخ العالم المفسر العلامہ نور الدین الخراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اذان میں سن کر انگوٹھے چوما کرتا تھا۔ پھر چھوڑ دیا تو میری آنکھیں بیمار ہوگئیں۔

تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، فرمایا: تو نے اذان کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا کیوں چھوڑ دیا؟

اگر تو چاہتا ہے کہ تیری آنکھیں درست ہوجائیں تو وہ عمل پھر شروع کردے۔ پس میں بیدار ہوا اور یہ عمل شروع کردیا تو میری آنکھیں درست ہوگئیں۔ اور اس کے بعد اب تک وہ مرض

نہیں لوٹا۔(نهج السلامة فی تقبیل ابھامین فی الاقامة ص ۴)

☆مقاصد حسنہ میں ہے محمد بن بابا نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار تیز آندھی چلی جس سے ان کی آنکھ میں کنکری جا پڑی اور نکل نہ سکی سخت درد تھا۔ جب انہوں نے مؤذن کو کہتے ہوئے سنا اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو یہی عمل کیا (یعنی دعا پڑھی اور انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگائے) فوراً کنکری آنکھ سے نکل گئی۔

☆اسی مقاصد حسنہ میں شمس محمد بن صالح مدنی سے روایت ہے، انہوں نے امام امجد کو فرماتے سنا: (امام امجد انتہائی برگزیدہ اور متقدمین علمائے مصر میں سے تھے) جو شخص اذان میں حضور ﷺ کا نام پاک سنے تو اپنے کلمے کی انگلی اور انگوٹھا جمع کرے اور دونوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے تو کبھی آنکھ نہ دکھے گی۔

پھر فرماتے ہیں کہ بعض عراق وعجم کے مشائخ نے فرمایا: کہ جو یہ عمل کرے تو اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی۔

انہوں نے فرمایا: کہ جب سے میں نے یہ عمل کیا ہے میری بھی آنکھیں نہ دکھیں۔

☆مقاصد حسنہ میں ہے ابن صالح نے فرمایا: کہ میں نے جب سے یہ سنا ہے اس پر عمل کیا میری آنکھیں نہ دکھیں اور میں امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ یہ آرام ہمیشہ رہے گا اور میں اندھا ہونے سے محفوظ رہوں گا۔

احناف کے علاوہ دوسرے مسالک کے نزدیک

مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

مذہب شافعی کی مشہور ومعروف کتاب ''اعانته الطالبین علی حل الفاظ فتح العین'' میں ہے۔

☆ ثُمَّ یُقَبِّلُ اِبْھَامَیْہِ وَیَجْعَلُھُمَا عَلٰی عَیْنَیْہِ لَمْ یَعْمِ وَلَمْ یَرْمَدْ اَبَدًا۔

پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے آنکھوں سے لگائے تو کبھی بھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی آنکھیں

دیکھیں گی۔(اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین، مصری ص ۲۴۷)

مذہب مالکی:

مذہب مالکی کی مشہور و معروف کتاب، کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی کی عبارت ملاحظہ فرماتے جایئے: عَیْنَیْہِ لَمْ یَعْمِ وَلَمْ یَرْمُدْ اَبَدًا۔ اندھا ہو اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں۔ اس کی شرح میں علامہ شیخ علی الصعیدی فرماتے ہیں:۔

مصنف نے انگوٹھے چومنے کی جگہ بیان نہ کی۔ شیخ علامہ مفسر نور الدین خراسانی سے نقل کیا گیا کہ بعض لوگ انہیں اذان کے وقت ملے۔ جب انہوں نے مؤذن کو اشھد ان محمدا الرسول الله کہتے ہوئے سنا تو انہوں نے اپنے انگوٹھے چومے اور ناخنوں کو پلکوں پر آنکھوں کے کونے سے لگایا اور کنپٹی کے کونے تک پہنچایا۔ پھر ہر شہادت کے وقت ایک ایک بار کہا میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگے کہ میں پہلے انگوٹھے چوما کرتا تھا۔ پھر چھوڑ دیا۔ پس میری آنکھیں بیمار ہو گئیں۔ پس میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا: تم نے اذان کے وقت انگوٹھے آنکھوں سے لگانا کیوں چھوڑ دیئے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری آنکھیں اچھی ہو جائیں تو پھر یہ انگوٹھے آنکھوں سے لگانا شروع کر دو۔ پس بیدار ہوا اور یہ مسح شروع کیا مجھ کو آرام ہو گیا اور پھر اب تک وہ مرض نہ لوٹا۔ (نہج السلامہ علامہ شیخ علی الصعیدی عددی ص ۱۷۷)



مست بادہ قیوم حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی شریف کے چند اشعار اس لحاظ سے مطالعہ کے قابل ہیں۔ ترجمہ عرض کئے دیتا ہوں:۔

☆ انجیل میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نام مبارک درج تھا۔ وہ مصطفیٰ جو پیغمبروں کے سردار اور بحر صفا ہیں۔

☆ نیز آپ کے اوصاف جسمانیہ، شکل و شمائل، جہاد کرنے، روزہ رکھنے اور کھانے پینے کا حال بھی درج تھا۔

☆عیسائیوں کی ایک جماعت جب اس نام پاک اور خطاب مبارک پر پہنچتی تو وہ لوگ بغرض ثواب یہ اچھائی کرتے کہ اس نام شریف کو بوسہ دیتے اور اس ذکر مبارک پر بطور تعظیم منہ رکھ دیتے۔

☆(اس تعظیم کی بدولت) ان کی نسل بہت بڑھ گئی اور حضرت احمد ﷺ کا نور مبارک (ہر معاملے میں) ان کا مددگار اور ساتھی بن گیا۔

☆اور ان نصرانیوں کا وہ دوسرا گروہ حضرت احمد ﷺ کے نام مبارک کی بے قدری کیا کرتا تھا۔

☆وہ لوگ ذلیل وخوار ہو گئے اپنی ہستی سے بھی محروم ہو گئے (کہ قتل کئے گئے) اور مذہب سے بھی محروم ہو گئے یعنی عقائد خراب ہو گئے۔

☆جب حضرت احمد ﷺ کا نام مبارک ایسی مدد کرتا ہے تو خیال کرو کہ آپ ﷺ کا نور کس قدر مدد کر سکتا ہے۔

☆جب حضرت احمد ﷺ کا نام مبارک ہی حفاظت کے لئے مضبوط قلعہ ہے تو اس ''روح الامین ﷺ'' کی ذات مبارک کیسی ہوگی۔ (مثنوی شریف۔ دفتر اول)

ایک حقیقت پر مبنی واقعہ

''راقم السطور'' کا یہ مضمون جون ۲۰۰۲ء کے مجلہ آئینہ کرم میں شائع ہوا تو کراچی سے ایک صاحب نے انگوٹھے چومنے سے متعلق اپنا ذاتی مشاہدہ تحریر کر کے مجھے ارسال کیا جسے من وعن یہاں بھی درج کرتا ہوں۔

السلام علیکم! کے بعد عرض گزار ہوں کہ میں شیخ طالب حسین بیان کرتا ہوں مجھے شوگر کے مرض کا علم نہ تھا۔ اچانک میری شوگر 410 تک بڑھ گئی۔ شوگر کا اثر میری آنکھوں پر ہوا اور میری بینائی ضائع ہو گئی۔ مجھے ڈاکٹر رضوی صاحب جو پاکستان کے بہت بڑے ڈاکٹر ہیں، امریکہ میں آپریشن کا مشورہ دیا اور میں امریکہ میں آپریشن کی تیاری کرنے لگا۔ میری بینائی اس حد تک ختم

ہو چکی تھی کہ میری بیوی رات کو میرا ہاتھ پکڑ کر سونے کے لئے چھت پر لے جاتی اور صبح سہارا دے کر نیچے اتارتی۔ ایک رات مجھے شدت کی پیاس لگی۔ میں نے اپنی بیوی سے پانی مانگا وہ گہری نیند سورہی تھی میں نے کافی آوازیں دیں مگر وہ نہ اٹھی۔ میں نے تنگ آکر رونا شروع کردیا۔ روتے روتے میں نے کہا: یارب! میں نے بچپن میں اپنے بزرگوں سے سنا تھا کہ جو تیرے پیارے حبیب ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگائے اس کی بینائی ضائع نہیں ہوتی۔ میں بھی تیرے پیارے حبیب ﷺ کا نام سن کر اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگاتا ہوں میری بینائی پھر بھی ضائع ہوگئی۔

یہ بات جھوٹ ہے، غلط ہے، خدا کی قسم! جب میں صبح اٹھا اور میری بیوی میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نیچے اتار رہی تھی تو مجھے میرے پاؤں نظر آنے لگے اور چھ سات دنوں میں میری نظر واپس آگئی اور مجھے صحیح نظر آنے لگا۔ آج میں بغیر چشمہ کے لکھتا اور پڑھتا ہوں۔ رات کو آسمان کے ستارے بھی دیکھتا ہوں۔ یہ سب میرے پیارے آقا ﷺ کا مجھ پر کرم ہے۔ جس کے نام پر رحمت حق جوش میں آئی اور مجھے نظر عنایت فرمائی۔

شیخ طالب حسین

D-47 موتن داس بلڈنگ

ایم۔ اے جناح روڈ۔ کراچی

مولانا عبد الستار تونسوی کے استاذ عبد الشکور لکھنوی اپنی کتاب ''علم الفقہ'' ج ۲ ص ۱۴۳ ایڈیشن اول میں لکھتے ہیں۔ آذان سننے والے کیلئے مستحب ہے کہ پہلی مرتبہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه سنے تو یہ کہے صلى الله عليك يا رسول الله اور جب دوسری مرتبہ سنے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھ کر کہے: قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يارسول الله۔ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَر۔ (جامع الرموز، کنز العباد)

اعتراضات اوران کے جوابات

آخر میں ذہن میں اٹھنے والے چند شبہات کا ازالہ کئے دیتا ہیں۔

سب سے پہلا جو اعتراض سننے میں آیا ہے وہ یہ:

کہا جاتا ہے کہ انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں ر حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہوسکتا۔ تو اس کے لئے عرض یہ ہے کہ جس طرح ملاعلی ری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا رفع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے لفائے راشدین کی سنت۔ (موضوعات کبیر ص ۶۴)

دوسری بات یہ ہے کہ اصول حدیث اور اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث اسناد سے مروی ہو جائے تو حسن بن جاتی ہے۔

تو عرض یہ ہے کہ یہ حدیث بہت طریق سے روایت ہے لہذا احسن ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی فضائل اعمال میں دیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔

چنانچہ علامہ شامی رد المختار جلد اول باب اذان میں فرماتے ہیں فضائل اعمال میں ضعیف دیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

انگوٹھے چومنے کے مسئلہ میں واجب و حرام ہونے کا مسئلہ نہیں۔ فضیلت کی بات ہے ہذا ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہے۔

☆ چوتھے یہ کہ اگر اس کے متعلق کوئی حدیث نہ بھی ملتی تب بھی امت مسلمہ کا مستحب مان لینا ی کافی تھا کہ حدیث میں ہے ”جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ کام اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے“۔

☆ پانچویں یہ کہ انگوٹھے چومنا آنکھ کی بیماری سے بچنے کا عمل ہے اور عمل میں صوفیاء کا تجربہ

ہی کافی ہوتا ہے۔

☆ چھٹے یہ کہ اگر مان لیں کہ استحباب کا ثبوت حدیث ضعیف سے نہیں ہوسکتا تو کراہیت کے لئے کون سی حدیث ہے۔ جس میں یہ مذکور ہو کہ انگوٹھے چومنا مکروہ ہے۔

آخر میں ذرا ملاحظہ فرمایئے مولانا خلیل احمد انبیٹھوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کا بیان:

''جس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی ان قرون میں ہوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا یا نہ ہوا ہو۔ وہ سب سنت ہے''۔ (براہین قاطعہ ص ۲۸)

تو ان شاء اللہ اس کی کراہت کے لئے صحیح حدیث تو کیا ضعیف حدیث بھی نہیں ملے گی تو پھر اعتراض کیسا؟

☆ دوسرا اعتراض جو عموماً سننے میں آیا ہے وہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نور مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخنوں میں دیکھ کر چوما تھا تو تم کون سا نور دیکھ کر چومتے ہو؟

اس کے لئے عرض یہ ہے کہ جناب والا! بعض اوقات انبیائے کرام کے بعض کام ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی یادگار باقی رکھی جاتی ہے۔ اگر چہ وہ ضرورت باقی نہ رہے اور یہاں بھی یہی صورت حال ہے۔ مثال کے لئے چند چیزیں قابل توجہ ہیں۔

ذرا غور فرمایئے! حضرت ہاجرہ اپنے فرزند کے لئے صفا و مروہ پہاڑ کے درمیان دوڑیں اور مقصود پانی کی تلاش تھی۔ آج تمہیں کس فرزند کے لئے پانی کی تلاش ہوتی ہے۔ کیوں وہاں جا کر دوڑیں لگاتے ہو؟ ذرا حجاج کرام سے پوچھنا!

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کے لئے جاتے ہوئے راستے میں تین مقامات پر شیطان کو کنکر مارے۔ آج تم کون سا شیطان دیکھتے ہو؟ جو تمہیں دھوکا دے رہا ہوتا ہے۔

☆ میرے آقا کریم، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص ضرورت کے تحت کفار کو دکھانے کے لئے طواف میں رمل کرا کر اپنی قوت و طاقت کا مظاہرہ کیا۔

بتاؤ! اب تمہیں کیا ضرورت تھی؟ کن کفار کے سامنے اپنی شان و شوکت کا اظہار ہے۔

آخری اعتراض جو عموماً سننے میں آیا ہے وہ یہ کہ رسولِ کریم ﷺ کے نام پر انگوٹھے کے ناخن چومتے ہو کوئی اور چیز کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ چوم لیا کرو۔ تو اس کے لئے عرض یہ ہے کہ چونکہ روایات میں ناخن کا ہی ثبوت ہے۔ اس لئے اسی کو چومتے ہیں اور یاد رہے کہ نص میں وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں۔ اگر منصوصات میں وجہ تلاش کرنا ضروری ہو تو سب سے پہلے نماز کو نماز کی صورت میں پڑھنے کی وجہ تلاش کرنا ہوگی۔

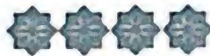
اک لطیف نکتہ:

اگر نکتہ ہی تلاش کرنا ہے تو دیکھئے تفسیر خازن، روح البیان نے پارہ نمبر ۸ سورۃ اعراف آیت بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا کی بحث میں ہے کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا۔ یعنی تمام جسم شریف پہ ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا۔

جب آپ کا یہ لباس واپس لے لیا گیا۔ مگر انگلیوں کے پوروں پر بطور یادگار باقی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن جنتی لباس ہیں۔

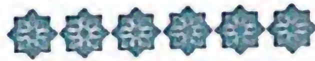
اور جنتی لباس ہونے کے ناطے چوم لیتے ہیں جس طرح کہ کعبہ مشرفہ میں حجر اسود جنتی پتھر ہے اس کو چوم لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ جنتی گھر کی یادگار ہے جو کہ حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے اپنے ساتھ لائے۔

تو اسی طرح ناخن بھی اس جنتی لباس کی یادگار ہیں۔ اور جنت تو ہمیں رسولِ کریم ﷺ کے طفیل سے ملے گی۔ لہٰذا ان کے نام پر جنتی لباس چوم لیتے ہیں۔



وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

اے اخی! اے عاشق! محبوب حق
اے نثار طالب و مطلوب حق
جب سنے تو نام پاک مصطفیٰ
چوم انگوٹھے اور آنکھوں سے لگا
پڑھ درود ان پر بصیغہ خطاب
آنکھیں تیری ہوں گی نہ ہرگز خراب
ہوں گے محشر میں شفیع وہ بالیقین
پھر خدا دے گا تجھے خلد بریں
جس نے کی تعظیم سن کے ان کا نام
آتش دوزخ ہوئی اس پر حرام
تعظیم ان کی مومنوں پہ فرض ہے
جو نہ مانے اس کے دل میں مرض ہے
اے شفیع من کرم بر ایں غلام
صد ہزاراں الصلوٰۃ والسلام



مصادر و مراجع

نمبر شمار	مصدر و مرجع	نمبر شمار	مصدر و مرجع
1	قرآن مجید	2	تفسیر کبیر
3	تفسیر روح البیان	4	تفسیر ابن کثیر
5	تفسیر کشاف	6	تفسیر طبری
7	تفسیر غرائب القرآن	8	تفسیر ابن عباس
9	تفسیر البیضاوی	10	تفسیر قرطبی
11	تفسیر نور العرفان	12	تفسیر نیشاپوری
13	تفسیر جمل	14	تفسیر صاوی
15	تفسیر نظم الدرر	16	تفسیر جلالین
17	تفسیر حسینی بحر الحقائق	18	تفسیر خازن
19	تفسیر ابن جریر	20	تفسیر ابن العربی
21	تفسیر روح المعانی	22	تفسیر عزیزی
23	تفسیر نعیمی	24	تنویر المقیاس
25	کتاب الاعجاز لابن سراقہ	26	مفردات الالفاظ القرآن
27	بخاری شریف	28	مسلم شریف
29	ترمذی شریف	30	ابوداؤد شریف
31	ابن ماجہ	32	نسائی شریف
33	مشکوٰۃ شریف	34	طبرانی شریف
35	سنن دارمی	36	مرقاۃ شرح مشکوٰۃ
37	صحیح ابن حبان	38	الدرر المنصور
39	جامع صغیر	40	مستدرک
41	شمائل ترمذی	42	مسانید امام اعظم
43	مختار الصحاح	44	کنز العمال
45	شرح قطر الندی ویل الصدی	46	عینی شرح بخاری
47	فتوحات مکیہ	48	مدارج النبوت
49	الخصائص الکبریٰ	50	مسند امام احمد بن حنبل

51 جاء الحق

52 رشد الایمان

53 تکمیل الحسنات

54 مواہب الدنیہ

55 الدر الازہر (شرح فقہ اکبر)

56 جامع کبیر

57 بہجۃ الاسرار

58 زبدۃ آثار

59 خلاصۃ المفاخر

60 نزہۃ الخاطر الفاطر

61 مکتوبات (مجدد الف ثانی)

62 الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

63 شامی

64 مجمع الزوائد

65 مغنی

66 الشفاء شریف

67 کتاب الاذکار للنووی

68 شفاء السقام

69 الجوہر المنظم

70 الفتاوی الحدیثیہ

71 نہایہ

72 تنویر القلوب فی معاملۃ علام الغیوب

73 الترغیب والترہیب

74 ادب المفرد

75 در مختار

76 غنیۃ الطالبین

77 تاریخ الکبیر

78 کتاب الوفا باحوال المصطفیٰ

79 حجۃ اللہ علی العالمین

80 نزہۃ المجالس

81 مقیاس حقیقت

82 بستان العارفین

83 شواہد النبوت

84 الصواعق المحرقہ

85 اعلام الموقعین

86 الاستیصار فی نسب الصحابۃ من الانصار

87 الاستبصار

88 فتح المغیث

89 اشعۃ اللمعات

90 ملتقی الابحر

91 المیزان الکبریٰ

92 تنویر الابصار

93 مظاہر حق

94 کشف المحجوب

95 رد المحتار

96 شرح نقایہ

97 عینی عمدۃ القاری

98 استیعاب علی ہامش الاصابۃ

99 فوائد الفواد

100 فضائل حج

101 تذکرۃ الاولیاء

102 لطائف المنن والاخلاق

103 سفینۃ الاولیاء

104 اکمال المعلم

105 المقاصد الحسنہ

106 صلوٰۃ مسعودی

107 حلیۃ الاولیاء

108 نہج السلامہ فی تقبیل ابہامین فی الاقامہ

109 کفایۃ الطالب الربانی

110 علم الفقہ

111 جامع الرموز

112 کنز العباد

113 موضوعات کبیر

114 قصیدۃ النعمان

115 قصیدہ غوثیہ

116 قصیدہ بردہ شریف

117 حدائق بخشش

118 مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

119 اقرب الموارد فی فصح العربیہ الشوراد

120 اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المبین

121 المنجد

122 تاج العروس

123 لسان العرب

124 اوراد فتحیہ

125 آفتاب نبوت

126 فتح الملہم شرح صحیح مسلم

127 رحمت کائنات

128 مسک الختام شرح بلوغ المرام

129 سعایہ

130 نشر الطیب

131 تجلیات حقیقت محمدی

132 صراط مستقیم

133 التوسل والوسیلہ

134 مجموعۃ الرسائل والمسائل النجدیہ

135 اخبار الاخیار

136 تحذیر الناس

137 عوائد الفوائد

138 وحید اللغات

139 ہدیۃ المہدی

140 اخبار اہل حدیث امرتسر

141 امداد المشتاق

142 آب حیات

143 فتاوٰی رشیدیہ

144 تذکرۃ الرشید

145 تذکرۃ الخلیل

146 کرامات امدادیہ

147 بلغۃ الحیران

148 حاشیۃ القرآن (شیخ محمود حسن)

149 السراج الوہاج

150 براہین قاطعہ

151 آئینہ صداقت

152 تذکرہ مجموعہ الہامات۔

153 کلمۃ الفصل

154 ضمیمہ تحفہ گولڑویہ

155 روحانی خزائن

نوٹ: حوالہ جات کی تفصیل کتاب کے اندر ملاحظہ فرمائیں۔

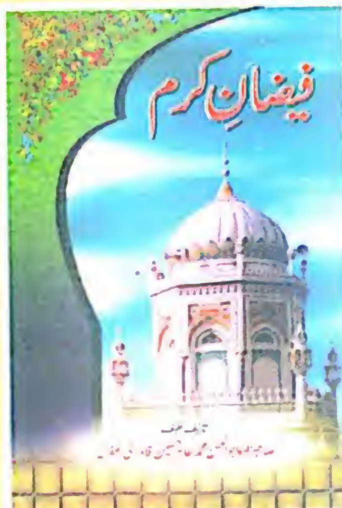
مطبوعاتِ قادریہ آرگنائزیشن



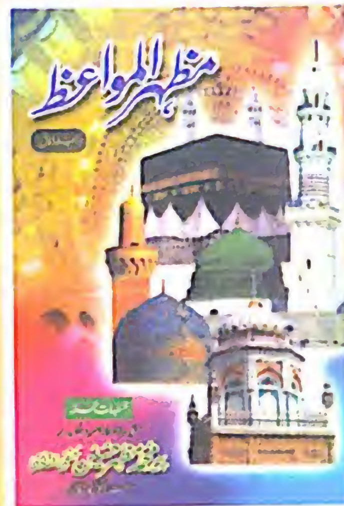




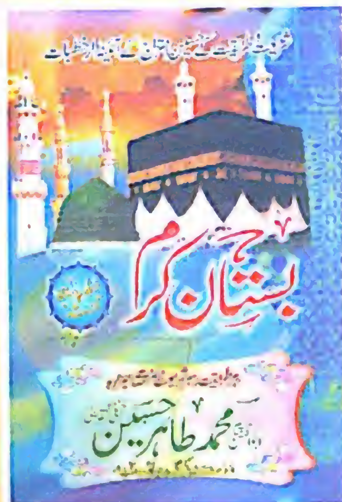












روحانی پبلشرز

الظہور ہوٹل دربار مارکیٹ لاہور